فاتح قادیان
سردار اہل حدیث
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
حیات - خدمات - آثار
تالیف: محمد رمضان یوسف سلفی
اہتمام و پیشکش: عبدالحنان جانباز
ناشر: جامعہ رحمانیہ
سیالکوٹ
دارالابلاغ
ڈسٹری بیوٹر
دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
27 بادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
0300-4453358, 042-37361428

دار الابلاغ
DARULIBLAGH

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

تالیف: .... محمد رمضان یوسف سلفی

اہتمام و پیشکش: .... عبد الحنان جانباز

اشاعت اول: .... مئی 2016ء

ناشر: .... جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

لاہور: دار الاندلس 37230549 ۔ دار السلام شوروم 37232400 ۔ مکتبہ قدوسیہ 37230585 ۔ مکتبہ سلفیہ 37237184 ۔ کتاب سرائے 37320318 اسلامی اکیڈمی 37357587 ۔ نعمانی کتب خانہ 37321865 ۔ مکتبہ رحمانیہ 37224228 ۔ مکتبہ دار الہدیٰ 37639557 ۔ البلاغ 35717842 ۔ ابلاغ (جیل روڈ 042-35717842 گلبرگ 042-35717842 ماڈل ٹاؤن 042 35942233)

راولپنڈی: تجلیات طیبہ کشمیری بازار 5535168 ۔ دار الفکر اسلامی 0321-5216287 ۔ مکتبہ عائشہ 0321-5075075 051-5551014 ۔

اسلام آباد: المسعود اسلامک سنٹر 2261356 ۔ البلاغ 2291420 ۔ دار السلام شوروم 0321-5370378 ۔ الہدیٰ انٹرنیشنل 0321-8014008, 051-4434615

کراچی: فضلی سنز 32212991 ۔ مکتبہ دار القرآن 021-32211308 علمی کتب خانہ اردو بازار 32628939 ۔

فیصل آباد: مکتب اسلامیہ بیرون امین پور بازار 631204 ۔ مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 041-2629292, 0300-6628021

پشاور: معراج کتب خانہ 214720 ۔ انوار اسلامک بک سنٹر 0331 9084723 ۔ حیدرآباد: مکتبہ دعوت السلفیہ 0333 2607264

واہ کینٹ: البلاغ 051-4541148 ۔ سیالکوٹ: مکتبہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ 052-4591911 مکتبہ الاذان 0332 8787866

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
27 بادیہ چلیہ سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
0300-4453358, 042-37361428

ضروری نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انسانی بساط وطاقت کے مطابق ہم نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ خاص طور پر عربی عبارات میں صحیح اغلاط میں پوری طرح احتیاط کی ہے۔ لیکن پھر بھی بشری تقاضے کے تحت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	حرف سپاس ..... ضیاء اللہ کھوکھر صاحب	4
2	انتساب	5
3	حرف اول از مصنف	6
4	تقدیم ..... پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی صاحب	8
5	حرفے چند ..... پروفیسر مسعود الرحمان صاحب	11
6	شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	13
7	ابتدائی حالات	14
8	تصانیف	20
9	ردقادیانیت	26
10	فاتح قادیان کی فاتحانہ سرگرمیاں	30
11	ردقادیانیت کا آغاز وارتقا	32
12	قادیانیت کی تردید مرزا جی کی زندگی میں	35
13	مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ قادیان میں	40
14	مسلسل ضربیں	51
15	آسمانی فیصلہ اور قادیانی نبوت کے تابوت میں آخری کیل	52
16	قادیانیت کے خلاف مولانا کی تصانیف	59
17	قادیانیوں سے مناظرے	64
18	مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف مولانا امرتسریؒ کا فتویٰ تکفیر	67
19	دیگر موضوعات پر تصانیف	69
20	صحافتی خدمات	69
21	فتاویٰ ثنائیہ	70
22	حاضر جوابی	72
23	جماعتی خدمات	74
24	اخلاق وکردار	76
25	تقسیم ملک اور پاکستان آمد	90
26	سرگودھا میں وفات اور اہل قلم کا خراج تحسین	91

محترم ضیاء اللہ کھوکھر کا محبت نامہ

محترم جناب مولانا سلفی صاحب

السلام علیکم! ماہنامہ ترجمان الحدیث مارچ 2006ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی سیرت اور خدمات پر آپ کی خوبصورت' مربوط اور رواں تحریر نظر نواز ہوئی۔ بلاشبہ یہ مضمون افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اسے کتابی صورت میں منظر عام پر لایا جائے۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب اور جناب علی ارشد صاحب اسے تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھ سکیں تو خوبی تحریر میں مزید نکھار پیدا ہوسکتا ہے۔

صدائے ہوش اور دیگر رسائل میں علمائے اہل حدیث کے بارے میں آپ کے قلم سے نہایت اہم اور تاریخی معلومات منظر عام پر آ رہی ہیں۔ طرز نگارش نہایت علمی و تحقیقی اور دل کش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و برکت سے نوازے۔ امید ہے بخیر و عافیت ہوں گے۔

والسلام
ضیاء اللہ کھوکھر
گوجرانوالہ

6-4-2006

انتساب

ماضی قریب کے عظیم محدث کاروانِ علم بالحدیث کے حُدی خواں رئیس المحدثین حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ و ولی کامل حضرت مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص، علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کے معتمد خاص، سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ جیسے غیور سلف کی لڑی کے موتی، نامور مصنف اور کہنہ مشق استاد

استاد العلماء، شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنھوں نے زمانہ طالب علمی میں 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں نہ صرف عملی طور پر حصہ لیا بلکہ قید و بند کی صعوبت بھی برداشت کی، سیالکوٹ جیسے تاریخی شہر میں جامعہ رحمانیہ جیسی علمی درسگاہ قائم کی، دورانِ تدریس سنن ابن ماجہ کی شرح ''انجاز الحاجہ'' عربی زبان میں لکھ کر عرب و عجم کے اہل علم سے داد و تحسین پائی اور محدثین کی صف میں عزت و عظمت کے مقامِ رفیع پر متمکن ہوئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا جانباز رحمہ اللہ کی حسنات کو قبول فرمائے اور باقیات وصالحات کو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، (آمین)۔

محمد رمضان یوسف سلفی

حرفِ اول

میں نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی مجھے علمی وادبی اور دینی کتب کے مطالعہ کا بے حد شوق رہا ہے۔ تاریخ اسلام اور شخصیات پر کتب انتہائی دل چسپی سے پڑھتا رہا۔ ایک اہل حدیث ہونے کے ناطے اپنے اسلاف اور ان کے کارناموں سے آگاہی کی جستجو مجھے ہمیشہ رہی۔ میں اپنے تعلیمی و علمی اور قلمی سفر میں جن اہل حدیث علمائے کرام کے علمی کارناموں اور دینی مساعی سے متاثر ہوا ان میں فاتح قادیان' شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ ایک عرصے سے میرے دل و دماغ میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ میں حضرت امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے کچھ لکھوں' فروری 2006ء میں میرے فاضل دوست مولانا حافظ فاروق الرحمان یزدانی حفظہ اللہ مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد (مدیر ماہنامہ ترجمان الحدیث فیصل آباد) نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا کہ مارچ مولانا امرت سری کی وفات کا مہینہ ہے اس مناسبت سے ماہ مارچ کے شمارہ کے لیے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر مفصل مضمون تحریر فرما دیں۔ ان کے حسب حکم میں نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے ایک تفصیلی مضمون لکھا جو ماہنامہ ترجمان الحدیث کے ماہ مارچ 2006ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس مضمون کی اشاعت پر بہت سے جماعتی احباب نے خوشی کا اظہار کیا اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے بعد یہ مضمون پاک و ہند کے مختلف رسائل وجرائد میں بھی چھپا۔ اپریل 2009ء میں میرا ایک مضمون فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری اور فتنہ قادیانیت'' کے عنوان سے ماہنامہ دعوت اہل حدیث حیدرآباد کی اشاعت خاص ختم نبوت نمبر میں شائع ہوا یہ مضمون حافظ عبدالحمید گوندل صاحب کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اب ان دونوں مضامین کو حک واضافہ کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

میرے اس تحریری سفر میں جن دوستوں نے علمی تعاون کیا میں ان سب کا ممنون احسان ہوں' بالخصوص پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی صاحب اور پروفیسر مسعود الرحمان نقیب صاحب

کہ جنہوں نے اپنی لا متناہی مصروفیات کے باعث اس کتاب کے بارے اپنے تاثرات لکھے۔
اور محترم مولانا حکیم مدثر محمد صاحب نے پروف ریڈنگ میں معاونت کی' ضیاء اللہ کھوکھر صاحب مدیر عبدالمجید کھوکھر یادگار لائبریری گوجرانوالہ خطوط اور فون کے ذریعے حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ناسپاسی ہوگی کہ میں اپنے محبّ ومکرم جناب مولانا عبدالحنان جانباز صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں کہ وہ نہ صرف میری تحریری کاوشوں کی تحسین فرما کر میرا حوصلہ بڑھاتے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے ادارے جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کی طرف میری بعض کتابیں بھی شائع کی ہیں۔اور اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام بھی وہ اپنے ادارے کی طرف سے کر رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ وہ اپنے عظیم باپ مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ محدث سیالکوٹی کے تدریسی و تصنیفی مشن کو قائم و دائم رکھیں اور وہ اس ذمہ داری کو بخوبی نبھا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو شاد و آباد رکھے۔

اللہ تعالیٰ کا کروڑہا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے مجھے علم دیا اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے نوازا۔میری اس تحریر میں کوئی خوبی نظر آئے تو یہ میرے اللہ کا فضل و احسان ہے' کوئی کمی رہ گئی ہو۔تو یہ اس بندہ گنہگار کی طرف سے ہے۔

و صلی اللہ علی النبی و آلہ و اصحابہ اجمعین

محمد رمضان یوسف سلفی

چیف ایڈیٹر صدائے ہوش لاہور

25جولائی2015

تقدیم

جناب پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی صاحب حفظہ اللہ

مشرقی پنجاب کا ایک مشہور عالم شہر ''امرت سر'' ہے اس شہر کو قدیم سے ہی پنجاب میں مذہبی، دینی، علمی اور سیاسی ہر اعتبار سے خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔

سکھوں کے نزدیک یہ ایک پاک اور پوتر شہر ہے۔ اسے ان کے ہاں گوروں کی نگری'' کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ وہاں کا گولڈن ٹمپل'' یا ''دربار صاحب'' ہے جس کے درشن کیلئے سکھ صاحبان دنیا بھر سے آتے اور وہاں ''اشنان'' کرتے ہیں۔ یہ ان کا مذہبی شعار ہے۔ جس کا سلسلہ سینکڑوں سال سے جاری ہے۔

دربار صاحب کی بنیاد مشہور مسلمان بزرگ میاں محمد میرؒ نے رکھی تھی۔ یہ بزرگ مغل بادشاہ نورالدین محمد جہاں گیر کے عہد سے تعلق رکھتے تھے۔

امرت سر شہر ہندو، سکھ اور مسلم مذاہب کا مرکز، مختلف تہذیبوں اور متعدد ثقافتوں کا گہوارہ تھا۔

مولانا محمد عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ غزنی، افغانستان سے ہجرت کر کے امرت سر آ کر آباد ہو گئے تھے۔ علمی، عملی، مذہبی اور سیاسی حوالے سے ان کے ''غزنوی خاندان'' کی انتہائی نمایاں روایات اور خدمات ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اسی عالی مرتبت خاندان کے گل سرسبد تھے۔ اس خاندان کی پر عزیمت تاریخ ''غزنوی خاندان'' کے عنوان سے نامور صاحب قلم مولانا عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ کے قلم سے منصہ شہود پر آ چکی ہے، اور لائق مطالعہ ہے۔

امرت سر شہر اور اس کے گرد و نواح کے دیہات و قصبات بھی علمی لحاظ سے زرخیز رہے ہیں وہاں کی بیسیوں شخصیات آسمان علم و عمل کے درخشندہ ستارے ہو گزرے ہیں۔

انہی میں سے ایک سربرآوردہ اور انتہائی نمایاں شخصیت حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرت سری رحمہ اللہ کی بھی ہے، ان کے متعلق مؤرخ اہل حدیث بیہقی زماں مولانا محمد اسحاق بھٹی

حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:۔کہ

مولانا امرت سری برصغیر کی ایک عظیم علمی شخصیت تھے۔ ان کے کارناموں کا دائرہ بہت وسیع تھا وہ مصنف بھی تھے اور مناظر بھی، صحافی بھی تھے اور سیاست دان بھی، مفسر قرآن بھی تھے اور اعلیٰ درجے کے مفتی بھی، واعظ خوش بیان بھی تھے اور نہایت سلیقہ شعار طناز بھی، عالی کردار بھی تھے اور اخلاق حسنہ کی دولت سے مالا مال بھی، وہ ہمہ اوصاف موصوف تھے اہل علم کی جماعت میں وہ واحد شخصیت تھے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیاں نہایت حسن ترتیب سے جمع فرمائی تھیں۔

آپ نے اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنہ کی سرکوبی کی۔ بالخصوص فتنہ قادیانیت کے استیصال کے سلسلے میں آپ کی خدمات ومناظرات، ناقابل فراموش ہیں۔

واضح ہو کہ تاریخ، سیر اور سوانح ایک انتہائی دلچسپ اور اہم علم ہے محترم بھٹی صاحب کے بقول یہ تاریخ ہمارے پاس اہم ترین امانت بھی ہے، چاہیے کہ اسے اہتمام کے ساتھ آئندہ نسلوں کے حوالے کیا جائے۔

ہمارے لئے سعادت کی بات ہے کہ تاریخ کی اس اہمیت کے پیش نظر ہمارے برادر بزرگ فضیلۃ الشیخ ابو عمار مولانا عمر فاروق السعیدی حفظہ اللہ نے الجامعہ الاسلامیہ، مدینہ منورہ، میں کلیۃ الحدیث الشریف کے آخری تعلیمی سال میں ''الامام ثناء اللہ الامرت سری، حیاتہ وخدماتہ'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ پیش کر کے مولانا مرحوم کی علمی ودعوتی خدمات کو اجاگر کیا۔

اس کے علاوہ مولانا امرت سریؒ کی سیرت وسوانح کے حوالے سے سیرت ثنائی، از مولانا عبد المجید سوہدرویؒ) حیات ثنائی از مولانا داؤد راز دہلویؒ، تذکرہ ابوالوفاء ان ملک عبدالرشید عراقی، رئیس المناظرین، شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرت سری، از مولانا فضل الرحمٰن بن محمد حفظہ اللہ، فتنہء قادیانیت، اور مولانا ثناء اللہ امرت سری تالیف حضرت مولانا صفی الرحمان مبارک پوری رحمہ اللہ لائق مطالعہ ہیں۔

محترم مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ ایک معروف نوجوان عالم دین، مقبول قلم کار اور اعلیٰ اخلاق کا مجسمہ ہیں، اصحاب علم وقرطاس ان سے بخوبی متعارف اور واقف ہیں، آں

محترم مختلف علمی، تحقیقی اور اصلاحی موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے رہتے ہیں۔ بالخصوص بزرگ علمی شخصیات کی سیرت وسوانح لکھنے میں انہیں قدرت کی طرف سے خوب ملکہ ودیعت کیا گیا ہے۔ اب تک ان کی چھ کتب' اللہ کے چار ولی' مولانا عبدالوہابؒ دہلوی اور انکا خاندان' مولانا محمد اسحاق بھٹی' حیات وخدمات عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں علمائے اہل حدیث کی مثالی خدمات' مولانا محمد ادریس ہاشمی اور منشی رام عبدالواحد کیسے بناء؟ ہماری نظر سے گزری ہیں...... مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ دلی دعا ہے کہ۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

پیش نظر کتاب ''مولانا ثناء اللہ امرت سری'' جناب سلفی صاحب کی تازہ تصنیف شائع ہوکر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔

آپ نے اس میں بھی اپنے اشہب قلم کو دوڑاتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرت سری کی شخصیت اور ان کی علمی، دینی، جماعتی، صحافتی اور تصنیفی خدمات کو بڑی جامعیت سے پیش کر کے حسب روایت موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

یہ کتاب' مولانا امرت سری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھے گئے مضامین اور مستقل کتب میں ایک شاندار اور قابل قدر اضافہ ہے۔

اس عظیم تاریخی مرقع کو ترتیب دینے پر میں دل کی گہرائیوں سے برادر مکرم مولانا محمد رمضان یوسف سلفی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی دیگر نگارشات کی طرح یہ ''ارمغان'' بھی اہل ذوق کے ہاں ضرور مقبول ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ اللہ کریم ان کے علم، عمل، قلم اور خلوص میں برکت فرمائے۔ آمین۔

ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی
دارالسعادۃ منکیرہ ضلع بھکر

حرفِ چند

جناب پروفیسر مسعود الرحمان صاحب مسعود حفظہ اللہ

برصغیر کا خطہ ایک تخلیقی خطہ ہے کیونکہ یہاں تنقید کا عمل ہمیشہ سے موجود رہا ہے اسی لئے یہاں مختلف النوع شخصیات اور نظریات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ کے طالب علم کو اکثر ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ جب ایک طرف اکبر کا دین الٰہی ہے تو دوسری طرف اورنگزیب کا فتاویٰ عالم گیری' ایک طرف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا فلسفی اور عالم ہے تو اسی دور میں وارث شاہؒ جیسا پنجابی زبان کا شاعر نظر آتا ہے۔ اگر رنگیلا شاہ اپنی رنگینیوں میں مشغول ہے تو ٹیپو سلطان جیسا بہادر انگریزوں سے برسرپیکار ہے۔ ایک طرف غالب جیسا مشکل پسند آفاقی شاعر ہے تو اسی کے دور میں انشاء اللہ خاں انشا جیسا آسان مگر فحش گو شاعر...... ایک طرف سرسید احمد خاں کی آسان ترین نثر ہے تو دوسری طرف ابوالکلام آزاد کی دقیق ترین اردو...... ایسے ہی ماحول میں ایک گوناگوں شخصیت ایک ایسے وسیع القلب عالم کی ہے جن کا انداز' سوچ' فکر اور اسلوب نگارش بے مثال ہے۔ ان کی زبان آسان' خوبصورت' تراشیدہ اور رواں مشکل ترین موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کرتے ہوئے انداز بیان اس قدر حسین کہ عام آدمی بھی سمجھ لے...... ان کی تحریر ان کی شخصیت کا آئینہ ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ وہ کتنے ثقہ عالم' دانشور اور صحافی تھے...... ہنس مکھ' سامزاج' تعصب سے آزاد طبیعت...... مناظرانہ صلاحیت سے آراستہ لیکن غصہ سے تہی۔ یہ وہ سب کچھ ہے جس کو یکجا کیا جائے تو مسلک اہلحدیث کے عظیم سپوت حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا عکس ابھرتا ہے۔

برصغیر کی تاریخ نویسی جیسے علمی معاملات میں اکثر ایک ظلم روا رکھا جاتا ہے کہ مذہبی خدمات کے باب میں ہر فرقہ اپنے اپنے علماء کی خدمات پیش کر دیتا ہے۔ یہ بہت حوصلے کی بات ہوتی ہے کہ کوئی لکھنے والا کسی غیر فرقہ کے عالم کا ذکر بھی احسن طریقے سے کر جائے۔ اصولی طور پر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ جیسی وسیع القلب اور وسیع النظر شخصیت کا ذکر بلا تعصب ہر ایک کو کرنا چاہئے لیکن ہمارے ہاں تنگ نظری کا عفریت شاید ایسا کبھی نہ ہونے دے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی خوبی یہ تھی کہ بے شک وہ ایک اہلحدیث تھے لیکن انہوں نے

کبھی اپنے قلم اور زبان سے کسی دوسرے کی نہ اہانت کی نہ دل آزاری یہ شخصیت کا ایسا پہلو ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور آجکل قریب قریب ناپید ہے۔

الحمدللہ میرے پیارے دوست، بھائی، ہم پیالہ و ہم نوالہ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی نے مولانا کی باغ و بہار شخصیت پر قلم اٹھایا اور عقیدت کے پھول نچھاور کر دیئے۔ آج سے بہت عرصہ پہلے جب میری پہلی ملاقات (جولائی 1990ء میں) مولانا سلفی سے ہوئی تو وہ پہلے ہی مولانا ثناء اللہ امرتسری کی محبت اور عقیدت سے سرشار تھے اور اپنے نام سے پہلے مولانا ثناء اللہ کے تتبع میں 'ابوالوفا'' بھی لکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رمضان سلفی کی وسیع القلمی بھی مولانا ثناء اللہ ہی سے محبت کا فیض ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی شخصیت پر یہ کتاب محض الفاظ کا تانا بانا نہیں ہے۔ بلکہ یہ مولانا سلفی کی اکٹھا کردہ وہ معلومات ہیں جنہیں نجانے کب سے وہ اپنے دامن دل میں چھپائے بیٹھے تھے۔ کتاب کے مندرجات شاہد ہیں کہ مولانا سلفی نے کتنی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ان شاء اللہ مولانا سلفی کی دیگر کتب کی طرح یہ کتاب بھی قارئین دلچسپ پائیں گے۔

ذاتی حیثیت میں میں مولانا سلفی کا شکر گزار ہوں کہ مجھ جیسے نااہل اور گنہگار کو ان سطور کی ذمہ داری سونپ کر انہوں نے مجھے بھی اس کار خیر سے خوشہ چینی میں شامل کر لیا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مسعود الرحمٰن

ہیڈ آف انگلش ڈیپارٹمنٹ

گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی

فیصل آباد

یکم جنوری 2014ء

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

ایک جامع الصفات شخصیت

شیخ الاسلام فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کی جامع الصفات علمی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ خوبیوں اور محاسن سے نواز رکھا تھا۔ وہ دین کے داعی بھی تھے اور مفسر قرآن بھی' متکلم بھی تھے اور مصنف بھی' مناظر بھی تھے اور صحافی بھی۔ ان کی اسلامی اور مسلکی خدمات کا دائرہ اس خطہ ارض میں دور دور تک پھیلا دکھائی دیتا ہے۔ ان کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے ان علمائے کرام میں ہوتا ہے' جو متعدد اوصاف کے حامل تھے۔ انہوں نے اس دور میں شعور کی آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا' جب اس خطے میں کئی اسلام دشمن تحریکیں پیدا ہو چکی تھیں اور وہ اسلام پر پوری شدت سے حملہ آور تھیں۔

شیخ الاسلام مولانا مرحوم نے ان حالات میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں' مختلف مذاہب کی کتب کا مطالعہ کر کے ان سے متعلق معلومات حاصل کی اور گردوپیش کا جائزہ لے کر وہ ان سب کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور اسلام کی مدافعت و محافظت میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔

مولانا ابو علی اثری نے لکھا ہے:

مولانا ثناء اللہ جامع الصفات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت بہت سے فضائل اور محاسن ان میں جمع کر دیئے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام حیثیتوں سے مذہب اہل حدیث اور اس سے کہیں زیادہ اسلام کو فائدہ پہنچایا اور اپنے واحد اہل حدیث اخبار کے ذریعے تحریک اہلحدیث کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یہ تحریک اہل حدیث کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان جیسا باہمت' وسیع المعلومات' وسیع النظر' وسیع المطالعہ عالم اس کو مل گیا۔ جس نے اپنی تصنیفات' رسائل' مضامین اور تحریروں سے تحریک اہل حدیث میں ایسی زبردست انرجی اور طاقت بھر دی کہ ہندوستان میں بڑے بڑے مذاہب کے نظامات اس کی ٹکر سے ہل گئے۔

انہوں نے سید صاحب کے خیالات کے مطابق رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر بھی رسالے لکھے اور قادیانیوں اور آریوں کے رد میں بھی کتابیں لکھیں اور ان کے علماء اور پنڈتوں سے کھلے جلسوں میں مناظرے بھی کیے۔ جن کا اثر بڑی تیزی کے ساتھ نہ صرف پنجاب'

بلکہ پورے ملک میں پھیلتا جا رہا تھا۔ یہ ان کی اتنی بڑی مذہبی خدمات ہیں کہ اس پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ پھر ان اہم دینی خدمات کے ساتھ انہوں نے فروعی مسائل یعنی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر رسائل اور کتابیں لکھ کر خوب خوب داد تحقیق دی ہے اور نہایت قوی دلائل سے ان کی موید حدیثوں کو مرجح ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ بھی ایک بڑی اہم دینی خدمت تھی' جو ان سے عمل میں آئی۔ اگر انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی ان موضوعات پر اردو میں کتابیں نہ لکھتے تو بے چارے اردو دان جو اس مسلک پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اپنی تشنگی کہاں جا کر بجھاتے' کوئی تو سرچشمہ ان کے لئے چاہیے تھا۔ مقلدین کے لئے تو دیوبند تھا' سہارن پور تھا' دہلی تھا' مراد آباد تھا اور پھر ان میں سے ایک طبقہ کے لئے بدایوں تھا' بریلی تھا' فرنگی محل تھا۔ لیکن سلف کے نقش قدم پر چلنے والوں کا من ومحکا کہاں تھا' یہ کس دیوار سے جا کر اپنا سر ٹکراتے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان مرفوع' قوی اور مرجح حدیثوں پر عمل کرنے والوں کے لئے درحقیقت آیة من آیات اللہ تھے۔ ان کی بدولت رسول اللہ ﷺ کی کتنی متروک سنتوں پر عمل ہوا اور وہ سنتیں کتنے لوگوں کا مستقل مسلک بن گئیں۔ یہ وہی ہیں' جو اپنے کو اہل حدیث' عامل بالحدیث' سلفی' موحد' محمدی اور اغیار ان کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں اور بحمد اللہ برصغیر کے دونوں ٹکڑوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں۔

(چند رجال اہل حدیث صفحہ 52-53)

ابتدائی حالات اور حصول تعلیم

اب آیئے مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف گوناں گوں اور دینی خدمات کی ایک اجمالی سی جھلک دیکھنے کی کوشش کریں۔

''مولانا ثناء اللہ کے آباؤ اجداد اصلاً کشمیر کے رہنے والے تھے اور کشمیریوں کے منٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام ''خضر جو'' اور تایا کا اسم گرامی ''اکرم جو'' تھا۔ یہ لوگ علاقہ ڈور کے رہنے والے تھے' جو تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر میں واقع ہے۔ کشمیر کے زیادہ تر لوگ پشمینے کی تجارت کا کام کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کے والد اور تایا کا بھی یہی کاروبار تھا۔ یہ لوگ 1860 میں تجارت کی غرض سے یا کشمیر کے ڈوگرا حکمران راجہ رنبیر سنگھ کی ستم

رائیوں سے تنگ آ کر امرتسر میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر پر انگریز کی حکمرانی تھی اور یہ خطہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا'' (سیرت ثنائی' ص 90؟)

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت جون 1868ء (بمطابق 1287 ہجری) کو امرتسر میں ہوئی۔ عمر عزیز کی ابھی سات بہاریں ہی دیکھ پائے کہ ان کے والد محترم اس دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے تایا ''اکرم جو'' بھی سفر آخرت اختیار کر گئے۔ یہ وقت مولانا مرحوم کے لئے نہایت رنج والم اور ابتلا کا تھا۔ ساتھ ہی عسرت و تنگ دستی کے سائے بھی چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی ابراہیم رفوگری کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی یہ کام سکھا دیا اور دونوں بھائی یہ کام کر کے رزق حلال کمانے لگے۔

مولانا مرحوم کی عمر 14 سال تھی کہ ان کی پیاری والدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ انہی دنوں ایک بزرگ ان کے پاس اپنا چوغہ رفو کروانے کے لئے لے کر آئے۔ انہوں نے مولانا مرحوم سے چند باتیں دینی موضوع سے متعلق کیں اور مولانا نے ان کے بڑے اچھے جوابات دیئے۔ اس بزرگ نے مولانا کی ذہانت و فطانت اور خداداد صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں دینی تعلیم کے حصول کا مشورہ دیا۔ اس وقت مولانا کی عمر چودہ سال تھی۔ اسی عمر میں ان کے دل میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ ابھرا۔ اس وقت امرتسر میں مولانا احمد اللہ امرتسری (متوفی: 1916ء) کا سلسلہ درس جاری تھا' جن کا شمار امرتسر کے رؤسا میں ہوتا تھا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم نے ان کے حلقہ درس میں رہ کر کتب درسیہ میں سے علم نحو کی شرح جامی اور علم منطق کی قطبی تک کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد کتب حدیث کی تحصیل کے لئے گوجرانوالہ کے شہر وزیر آباد کا رخ کیا۔ اس دور میں صوبہ پنجاب کے اس چھوٹے سے شہر کو علم حدیث کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اس بلدہ علم میں استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فروکش تھے اور انہوں نے مسند حدیث آراستہ کر رکھی تھی۔ حافظ صاحب آنکھوں سے نابینا اور دل کے بینا تھا۔ ان کی علمی بصیرت بہت تیز تھی۔ وہ بہت بڑے عالم حدیث اور فن رجال کے ماہر تھے۔

متحدہ پنجاب میں جن علمائے کرام کی مساعی جمیلہ سے علم حدیث کی شمع روشن ہوئی اور

قال اللہ و قال الرسول کی دل نواز صدائیں گونجیں' ان میں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔

اس عظیم المرتبت استاذ حدیث کی خدمت میں حاضر ہو کر مولانا ثناء اللہ صاحب نے کتب احادیث اور دیگر مروجہ دینی علوم وفنون کی تحصیل کی اور 1889ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے صحیحین پڑھنے کی خاطر بلدہ علم دہلی کی طرف شد رحال کیا۔ یہ وہ دور تھا جب دہلی میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ درس و تدریس بام عروج پر تھا۔ اب مولانا ثناء اللہ ان کی بارگاہ فضیلت میں حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب سے خوب استفادہ کیا۔ ان کی خدمت میں اپنے استاد گرامی حافظ عبدالمنان کی طرف سے حاصل کردہ سند پیش کر کے ان سے شرف اجازہ کی سعادت حاصل کی۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا' جو انہیں حضرت میاں صاحب کی طرف سے عطا ہوا۔

یہاں سے علمی و عملی طور پر بہرہ مند ہونے کے بعد مولانا مرحوم سہارنپور گئے اور کچھ عرصہ وہاں مدرسہ مظاہر العلوم میں قیام پذیر ہو کر دینی علوم سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حصول علم کے لئے سہارنپور سے دیوبند آئے۔ ان دنوں دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر مولانا محمود حسن فائز تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم باقاعدہ ان کے حلقہ شاگردی میں شامل ہوئے اور ان سے منقولات و معقولات سے متعلق کتب درسیہ کی تکمیل کی اور دورہ حدیث میں بھی شریک ہوئے۔ یہاں انہوں نے حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور دارالعلوم دیوبند کے درس حدیث میں جو فرق تھا' اسے خوب سمجھا اور درس و تدریس کے یہ دونوں مراکز جن خطوط پر چل رہے تھے اس سے خوب استفادہ کیا۔ دیوبند کی سند فراغ کو مولانا مرحوم اپنے لئے باعث افتخار قرار دیتے تھے۔ (بزم ارجمنداں از مولانا محمد اسحٰق بھٹی' ص: 145)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولانا کی دیوبند میں تعلیم کا ایک مسرت آمیز واقعہ نقل کر دیا جائے۔ مولانا فضل الرحمٰن بن محمد الازہری لکھتے ہیں چونکہ مولانا ثناء اللہ کی طبیعت میں قدرتی تجسس و تحقیق کا رجحان پایا جاتا تھا' لہٰذا دیوبند میں دوران تعلیم مولانا (ثناء اللہ) شیخ الہند

سے دلیرانہ اور بے باکانہ سوالات کیا کرتے تھے۔ ان سوالات سے مقصود وسعت معلومات کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس لئے ان کے استاد محترم بڑی محبت و شفقت، نرمی اور تسلی سے ان کے سوالات کا جواب دیا کرتے تھے۔ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد رخصت کی اجازت لینے اور الوداعی ملاقات کے سلسلے میں شیخ الہند کی خدمت یں حاضر ہوئے تو استاد محترم نے انتہائی مسرت اور اطمینان کے ساتھ فرمایا "ثناء اللہ! طلبہ تمہاری بہت سی شکایتیں کیا کرتے تھے کہ یہ اعتراضوں میں بہت سا وقت ضائع کرتا ہے، لیکن تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ جسے اللہ تعالیٰ کچھ عطا فرماتا ہے، اسی سے حسد بھی کیا جاتا ہے۔" مولانا ثناء اللہ نے جب اپنے استاد محترم کی زبان سے یہ کلمات سُنے تو ان کی آنکھیں فرط مسرت سے آبدیدہ ہوگئیں اور ان کی زبان سے یہ شعر جاری ہوگیا۔

دیدہ ام در غنچگی چندیں جفائے باغباں
بعد گل گشتن نمیدانم چہ گل خواہد شگفت

مولانا ثناء اللہ فرماتے تھے کہ یہ واقعہ ایسا مسرت آمیز تھا کہ ساری عمر میں کسی بھی حالت میں نہ بھولا۔ جب بھی معاصرین کے نرغے میں دل تنگ ہوتا تو اس واقعہ کی یاد کو فوراً تازہ کر کے دل کو شاد کر لیتا۔ (حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری ص 37-36)

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد مولانا ثناء اللہ مدرسہ فیض عام کانپور پہنچے۔ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ مولانا محترم حدیث کے ساتھ ساتھ علوم معقول و منقول میں بھی خاص شغف رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ خوشی خوشی مدرسہ فیض عام کانپور میں داخل ہوئے۔

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے خود نوشت حالات میں بیان کرتے ہیں کہ:

"وہاں جا کر کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ انہی دنوں میں مولانا احمد حسن مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں شریک ہوا۔ پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)

استاذ العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لئے میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو طریقہ تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے، جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ شعبان 1310 ہجری بمطابق 1892ء فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا۔ جس میں آٹھ طلبہ کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گی۔ ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔ (اہل حدیث کا مذہب، ص: 11)

ندوالعلماء کے تاسیسی اجلاس میں شرکت؛

یہاں ایک عجیب اتفاق بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جس موقع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور ان کے ساتھیوں کی دستار بندی ہوئی اور ان کو سندیں دی گئی تھیں اسی مجلس میں ندوۃ العلماء لکھنو کی بنیاد رکھی گئی تھی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ذہانت وفطانت اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے انہیں ندوۃ العلماء کا رکن بنایا گیا تھا۔ اس مجلس میں ندوہ کے تاسیسی ارکان میں یہ سب سے کم عمر تھے۔

تدریسی خدمات

1892ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن امرتسر تشریف لائے۔ ان کے پہلے استاد مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کا مدرسہ تائید الاسلام مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا اور یہاں بچوں کی تعلیم کے لئے تدریس کا کام احسن طریقے سے چل رہا تھا۔ مولانا احمد اللہ کو اپنے اس شاگرد رشید کی علمی لیاقت، وسعت معلومات، وسیع المطالعہ اور رسوخ علم کا پتہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے مولانا کی خدمات اپنے مدرسہ تائید الاسلام کے لئے حاصل کر لیں۔

ہمارے دوست ملک عبدالرشید عراقی صاحب کی تحقیق کے مطابق مولانا ثناء اللہ امرتسری 6 سال تک یہاں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد دو سال انہوں نے مالیر کوٹلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات سرانجام دیں اور آخر اسے چھوڑ کر واپس امرتسر آ گئے۔ (چالیس علمائے اہل حدیث، ص 181)

میدان مناظرہ کا انتخاب

بیسویں صدی کا ابتدائی دور مناظروں اور مباحثوں کا زمانہ تھا۔ مختلف مذاہب کے اصحاب علم اپنے اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسرے کو مناظرے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ مناظروں میں حریف کے علم و فضل کا بہت بڑا معیار سرکاری سند کو سمجھا جاتا تھا

اوراس دور میں کسی عالم دین کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا اور اس سے علمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے اور نئی راہیں کھلتی تھیں۔ علوم شرقیہ میں مولوی فاضل کا امتحان خاص اہمیت رکھتا تھا۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے 1902 میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے اس کی سند حاصل کی۔ (بزم ارجمنداں' ص 147)

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ تحصیل علم کے بعد فاتح قادیان شیخ الاسلام کو منصب تدریس پر متمکن ہونے کے مواقع میسر آئے مگر انہوں نے عملی طور پر اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف اطراف سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر شدید حملے ہو رہے تھے۔ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجی پرچارکوں نے ایک خاص منصوبے کے تحت منظم طریقے سے اسلام اور اسلامی تہذیب وتعلیمات پر یلغار کر دی تھی۔ علاوہ ازیں فتنہ مرزائیت بھی ابھر آیا تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نزدیک یہ وقت مسجد میں بیٹھ کر خدمت دین سرانجام دینے کا نہیں تھا۔ بلکہ میدان میں اتر کر براہ راست ان غلط طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا تھا۔ اس وقت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ اس محاذ کے علم بردار تھے اور تنہا مخالفین اسلام کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اسی مورچے میں آنے کو ترجیح دی۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہنچا اور مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا' اس لئے ادھر ادھر سے ماحول کی مذہبی حالت دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں۔ ان ہی دنوں قریب میں قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی' جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علم بردار مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانے میں مناظرات کی طرف بہت زیادہ راغب تھی' اس لئے تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی' آریہ' قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔ بفضلہ تعالیٰ میں نے اس میں کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں! اس میں

شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی' جن کی جانب مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں میں نے چند علمائے سلف کی تصنیفات سے خاص فوائد حاصل کئے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی' حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے' علم کلام میں امام بیہقی' امام غزالی' حافظ ابن حزم' علامہ عبدالکریم شہرستانی' حافظ ابن تیمیہ' شاہ ولی اللہ اور امام رازی وغیرہم رحمہ اللہ اجمعین کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔ (اہلحدیث کا مذہب' ص 12)

تصانیف

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی علمی و تصنیفی خدمات کا جائزہ لیں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے تحصیل علم کے فوری بعد تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور 1895ء میں تفسیر ثنائی کی جلد اول لکھ کر شائع کر دی تھی۔ ادیان باطلہ کے رد میں 1900ء کے لگ بھگ لکھنا شروع کیا۔ آپ کا مطالعہ وسیع اور اسلامی علوم و فنون پر گہری نظر تھی۔ حدیث' تفسیر' منطق' فلسفہ اور علم الکلام میں انہیں کامل دستگاہ تھی۔ جس موضوع پر گفتگو فرماتے' علم کے لؤلؤ و لالہ بکھیرتے چلے جاتے اور جس عنوان پر قلم کو جنبش دیتے' علم و تحقیق کے موتی پرو کے رکھ دیتے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر لکھا اور خوب لکھا۔

آریہ سماج' عیسائیت اور فتنہ قادیانیت ان کی توجہ کا خاص مرکز رہے اور انہوں نے ان باطل فرقوں کے خلاف تحریری' تصنیفی اور مناظرہ و مباحثہ کے ذریعے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مولانا ثناء اللہ سادہ اور عام فہم اسلوب میں لکھتے تھے۔ اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہایت خوبصورتی سے کرتے تھے۔ ان کی تحریروں میں علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کی چاشنی بھی پائی جاتی تھی۔ بلاشبہ وہ اس خطہ ارض کے بلند پایہ مصنف' خطیب اور مناظر تھے۔ ہمارے بزرگ دوست اور جماعت اہل حدیث کے عظیم مصنف ملک عبدالرشید عراقی صاحب کی

تحقیق کے مطابق حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد 189 تک پہنچتی ہے اور اس میں اگر محترم مولانا سعید احمد چنیوٹی صاحب کے مرتب کردہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے سفرنامہ حجاز کو بھی شامل کرلیا جائے تو کل کتب 190 ہو جاتی ہی۔(چالیس علمائے اہل حدیث)

آئندہ سطور میں مولانا مرحوم کی معروف تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔سب سے پہلے تفسیر قرآن' خدمات قرآن کے حوالے سے آپ نے چار تفاسیر لکھیں۔

تفسیر ثنائی

یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کی تکمیل میں 36 سال کا عرصہ لگا۔پہلی جلد 1895ء میں طبع ہوئی اور آخری جلد 1931ء میں۔

قرآن مجید کی یہ مختصر اور جامع تفسیر ہے۔مولانا محترم نے اردو ترجمہ کرتے وقت ایک آیت کا ربط دوسری آیت سے قائم کرنے کی سعی کی ہے اور مناظرانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے اسلام دشمن عناصر اور سرسید احمد خاں کے بعض افکار و نظریات پر تنقید کرتے ہوئے ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔یہ تفسیر اپنے دامن میں ندرت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔اس کے شروع میں مولانا مرحوم نے مقدمہ تفسیر میں سید الانبیاء خاتم النبیین جناب محمد ﷺ کی نبوت کو عقلی و نقلی دلائل سے اس طرح پیش کیا ہے کہ ذرا سی ہوش و خرد رکھنے والا اسے پڑھ کر فوراً آپ ﷺ کی نبوت کا قائل ہو جائے۔یہ تفسیر کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن

یہ تفسیر عربی زبان میں ہے اور ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ایک آیت کی تشریح و ترجمہ کے لئے دوسری آیت سے مدد ملی ہے' یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی کی گئی ہے۔اکابر علمائے کرام اور عرب دنیا نے اس تفسیر کی بڑی تحسین کی اور مولانا کے حسن کلام اور اسلوب بیان کو سراہتے ہوئے انہیں قدر و منزلت سے نوازا ہے۔

برہان التفاسیر

یہ تفسیر مولانا ثناء اللہ صاحب نے پادری سلطان محمد خان پال کی ''سلطان التفاسیر'' کے

جواب میں لکھی تھی۔ اور یہ سورہ بقرہ کے 16 رکوع کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر مولانا کے ہفت روزہ اہل حدیث کی 81 اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اس کی پہلی قسط 6 مئی 1932ء کو شائع ہوئی اور 36 ویں قسط 20 جنوری 1933ء کو۔ اس کے بعد پادری سلطان نے یہ سلسلہ روک دیا۔ اس کے بعد جب انہوں نے دوبارہ اپنے پرچے میں سلطان التفاسیر لکھنا شروع کی تو مولانا ثناء اللہ صاحب نے یکم جون 1934ء کو پھر اس کا جواب لکھنا شروع کیا جو ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر کی 24 مئی 1935ء کی اشاعت پر اختتام پذیر ہوا۔ اس تفسیر میں مولانا مرحوم نے پادری سلطان کی غلط بیانیوں، تفسیری کج فہمیوں اور اعتراضات کے جوابات نہایت مسکت دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے نہایت پیارے علم دوست بھائی جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب (بانی عبدالمجید کھوکھر یادگار لائبریری گوجرانوالہ) کو کہ انہوں نے برہان التفاسیر کی کل 81 اقساط کو ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر کی فائلوں سے جمع کیا۔ اس تفسیر کے صفحات کی تعداد اڑھائی سو ہے۔ اس کی اشاعت کا اہتمام محترم مولانا عارف جاوید محمدی صاحب نے کیا اور اس کی خوبصورت کمپوزنگ و اشاعت جناب حافظ شاہد محمود سلفی صاحب ساکن گوجرانوالہ نے کی ہے۔ اور اس تفسیر کو ادارہ احیاء التراث لجنۃ القارۃ الکویت کی طرف سے شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔

بیان الفرقان علیٰ علم البیان

یہ تفسیر صرف سورۃ بقرہ تک ہے اور عربی زبان میں لکھی گئی۔ اس میں فصاحت و بلاغت کے ذریعے قرآن کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر فن بیان و معانی کا ایک نمونہ ہے، افسوس مکمل نہ ہو سکی۔

تفسیر بالرائے

اس تفسیر میں مولانا نے تفسیر بالرائے پر اصولی و فنی نقطہ نگاہ سے بحث کی ہے اور اس کی روشنی میں بعض مفسرین کی ان اغلاط کی نشاندہی کی ہے جو اس موضوع سے متعلق کی گئی ہیں، اس میں قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ حضرات کے مفسرین کے غلط استدلال کی اصلاح کرتے ہوئے بڑی اچھی اور عمدہ تحقیقی بحث کی ہے۔

ان تفاسیر کے علاوہ اس موضوع پر مولانا موصوف نے جو کتب تصنیف کیں، ان کے

نام یہ ہیں؛ آیات متشابہات' الہامی کتب' القرآن العظیم' الہام' کتاب الرحمان' حق پرکاش وغیرہ۔ (مولانا ثناء اللہ امرتسری مختصر حالات اور تفسیری خدمات صفحہ 160 'از عبدالمبین ندوی)

عیسائیت کے رد میں تحریری خدمات

برصغیر میں جب انگریز کا تسلط ہوا تو عیسائی مشنری بھی سرگرم ہو گئی اور انہوں نے عیسائیت کی ترویج واشاعت کے لئے لوگوں میں تبلیغ کرنا شروع کر دی اور بعض عیسائی مصنفوں نے دین اسلام کو بھی ہدف تنقید ٹھہرایا اور کتب تصنیف کیں۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کتب کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا اور انہوں نے اسلام کے دفاع اور عیسائیت کے رد میں بڑی تحقیقی کتب لکھیں۔ عیسائیت کے رد میں لکھی گئی ان کی مشہور کتب یہ ہیں؛

تقابل ثلاثہ

یہ کتاب شیخ الاسلام مولانا مرحوم کی مشہور اور بلند پایہ تصنیف ہے۔ اسے انہوں نے پادری ٹھاکر دت کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب میں حوالہ قرطاس کیا تھا۔ مولانا نے اس کتاب میں (قرآنا عربیاً غیر ذی عوجا) کا تقابل تورات اور انجیل کے ساتھ آیت بہ آیت سامنے کیا ہے اور تینوں کتابوں کے الہامی مضامین اصل الفاظ میں دکھا کر قرآن حکیم کی برتری اور فضیلت ثابت کی ہے۔ یہ اپنے موضوع کی دلچسپ اور منفرد کتاب ہے۔ چند سال پہلے راقم کی خواہش اور توجہ دلانے پر محترم ضیاء الحق نعمانی صاحب مالک نعمانی کتب خانہ لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1904ء میں طبع ہوئی تھی۔

توحید تثلیث اور راہِ نجات

اس کتاب میں توحید' تثلیث اور راہ نجات پر محققانہ بحث کر کے عیسائیوں کے اعتراضات کا بڑا عمدہ جواب دیا ہے۔ یہ کتاب 1914ء میں طبع ہوئی۔

جوابات نصاریٰ

یہ کتاب شیخ الاسلام مولانا کے ان رسائل ومضامین کا مجموعہ ہے' جو انہوں نے پادری عبدالحق اور پادری سلطان محمد پال کے جواب میں لکھے تھے۔ یہ کتاب 1930ء میں

پہلی بار طبع ہوئی تھی۔

مناظرہ الٰہ آباد

یہ اس تحریری مناظرے کی روداد ہے' جو شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ اور پادری عبدالحق کے درمیان توحید وتثلیث کے مسئلہ پر ہوا تھا۔ اس مناظرے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ پادری عبدالحق نے مولانا کے دلائل پر تنگ آ کر برملا کہہ دیا تھا کہ ''کون کمبخت الوہیت مسیح کا قائل ہے۔''

اسلام اور مسیحیت

یہ کتاب عیسائیوں کی تین کتب توضیح البیان فی اصول القرآن' مسیحیت کی عالم گیری اور دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت' کا نہایت عالمانہ وفاضلانہ تحقیقی جواب ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے یہ اسلام پر بہت بڑا حملہ تھا' جس کا مولانا نے اپنی علمی صلاحیتوں سے خوبصورتی سے دفاع کیا۔ اسلام اور مسیحیت کی ابتداء میں مولانا لکھتے ہیں کہ میں اپنے دلی خیال کا اظہار کرتا ہوں کہ اپنی جملہ تصانیف میں سے دو کتابوں کی نسبت مجھے زیادہ یقین ہے کہ خدا ان کو میری نجات کا ذریعہ بنائے گا۔ ان میں سے ایک کتاب مقدس رسول ﷺ ہے جو رنگیلا رسول کے جواب میں ہے۔ دوسری کتاب یہی اسلام اور مسیحیت ہے۔ پہلی کتاب میں میں نے بتوفیقہ تعالیٰ ذات رسالت مآب ﷺ کا دفاع کیا ہے اور دوسری میں اسلام اور قرآن مجید سے مدافعت کی ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں۔

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ
من نیز حاضر مے شوم تائید قرآن در بغل

تفسیر سورۃ یوسف اور تحریفات بائیبل

اس کتاب میں دلائل وبراہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عیسائی پادریوں نے ہر دور میں بائبل میں تحریفات کی ہیں۔ مولانا نے اس کا ثبوت بائبل کے مختلف ایڈیشنوں سے دیا ہے۔
یہ کتاب پہلی بار 1944ء میں طبع ہوئی۔ (ماخوذ تذکرہ ابوالوفا از عبدالرشید عراقی)

آریہ کے جواب میں لکھی گئی کتب

یہود و نصاریٰ کی طرح ہندو بھی شروع دن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے درپے آزار رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ پہلے بھی وہ اسلام کے خلاف زبان و قلم سے وار کرتے تھے اور اب بھی وہ اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے۔ جن دنوں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ عیسائیوں' قادیانیوں اور دیگر مذاہب باطلہ کے خلاف علمی و قلمی میدان میں نبرد آزما تھے' ایسے میں آریہ سماج کے منہ پھٹ مصنفوں نے اسلام پیغمبر اسلام اور قرآن سے متعلق زبان و قلم سے حملے کرنا شروع کیے۔

مولانا خم ٹھوک کران کے سامنے آگئے اور انہوں نے آریہ دھرمیوں کو دندان شکن جواب دے کران کی بولتی بند کردی۔ آریہ کے رد میں شیخ الاسلام مولانا محترم نے بڑی وقیع تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ اس سے ان کی اسلامی غیرت وحمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا کے پیش نگاہ اسلام کا دفاع اور پیغمبر اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت تھا۔

حق پرکاش

یہ کتاب سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کے 16 ویں باب کا جواب ہے۔ جس میں اس نے قرآن مجید پر 159 اعتراضات کیے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا محترم نے ان اعتراضات کے نہایت عالمانہ جواب دے کر جہاں اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا ہے' وہیں سوامی جی کی غلط بیانیوں اور اسلامی تعلیم سے عدم واقفیت کی بھی قلعی کھول کر رکھ دی۔ یہ کتاب پہلی بار 1900ء میں طبع ہوئی۔

کتاب الرحمان

اس کتاب میں پنڈت دھرم بھکشو کی کتاب بنام کتاب اللہ وید ہے یا قرآن کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

تُرکِ اسلام

غازی محمود دھرم پال بیسویں صدی کی ابتداء میں برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم نام تھا۔ وہ

1903ء میں آریہ سماج میں چلے گئے تھے۔ اور انہوں نے ایک زہریلی کتاب ''ترک اسلام'' لکھی۔اس سے مسلم حلقوں میں بے چینی سی پائی جانے لگی۔شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ مرحوم نے اس کا جواب ''تُرکِ اسلام'' (اسلام کا سپاہی) دیا۔اسے پڑھ کر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دھرم پال نے بھی مولانا کے جوابات کی معقولیت کا اعتراف کیا۔دھرم پال کے دوبارہ مشرف بہ اسلام ہونے میں کسی حد تک اس کتاب کا بھی عمل دخل ہے۔مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں۔

''میں سکول میں چھٹے درجے کا طالب علم تھا اور عمر گیارہ سال سے زائد نہ تھی' ایک ہندو لڑکے سے لے کر ترک اسلام کی جھلک دیکھ لی تھی اور اس پر تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی' کچھ ہی دن بعد تُرکِ اسلام کی زیارت نصیب ہوگئی اور اس نے زخم پر ٹھنڈا مرہم رکھ دیا۔'' (معاصرین؛ ص124) یہ کتاب 1903ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔

مقدس رسول ﷺ

یہ کتاب ایک گمنام آریہ کے بدنام رسالہ ''رنگیلا رسول'' کا بہت ہی خوبصورت جواب ہے' جس میں بڑی متانت اور سنجیدگی سے رنگیلے مہاشہ کی دشنام طرازیوں کو طشت ازبام کر کے رسول پاک ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔اس کے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم نے لکھا تھا کہ؛

''مولانا ثناءاللہ امرتسری نے یہ رسالہ لکھ کر مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے۔اور اخبار وکیل امرتسر نے 6 ستمبر 1924ء کو اپنی اشاعت میں لکھا تھا کہ جس قدر رنگیلا رسول اشتعال انگیز' فحش اور دائرہ تہذیب سے خارج ہے' اس قدر مقدس رسول ﷺ انتہائی تحمل' متانت اور شائستگی کو لئے ہوئے ہے۔مولانا ثناءاللہ مرحوم بھی اس رسالے کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے۔'' (تذکرہ ابوالوفاء؛ص89)

ردقادیانیت کی تردید میں تحریری خدمات

مرزائیت نے جب اس خطے میں اپنے زہریلے اثرات پھیلانے شروع کئے تو علمائے اہل حدیث نے فوری اس کا سدباب کیا۔مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کے استفتاء پر شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی نے مرزا قادیانی کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ تکفیر جاری کیا اور پھر اس

پر برصغیر کے نامور سینکڑوں علماء کے دستخط کروا کر مرزا قادیاں کے کفر پر مہر ثبت کر دی۔ (یہ فتویٰ مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے) مرزائیت کے رد میں جس مردِ حق آگاہ نے سب سے زیادہ مناظرے کئے، کتب تصنیف کیں اور مرزا غلام احمد کے چیلنج پر اس کے گھر جا کر اسے مناظرے کے لئے للکارا، اسے دنیا فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

تحصیل علم کے بعد مولانا کچھ عرصہ شعبہ تدریس سے منسلک رہے مگر انہوں نے عملی طور پر اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف اطراف سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر شدید حملے ہو رہے تھے۔ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجی پرچارکوں نے ایک خاص منصوبہ کے تحت منظّم طریقے سے اسلام اور اسلامی تہذیب وتعلیمات پر یلغار کر دی تھی۔ علاوہ ازیں فتنہ مرزائیت بھی ابھر آیا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب کے نزدیک یہ وقت مسجد میں بیٹھ کر خدمت دین سرانجام دینے کا نہ تھا بلکہ میدان میں آ کر براہ راست ان اسلام دشمن طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا تھا۔ اس وقت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ اس محاذ کے علمبردار تھے اور وہ تنہا مخالفین اسلام کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے اسی مورچے میں آنے کو ترجیح دی۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہنچا اور مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا، طبیعت میں تجسس زیادہ تھا، اس لئے ادھر ادھر سے ماحول کی مذہبی حالت دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں۔ ان ہی دنوں قریب میں قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی، جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے دور میں مناظرات کی طرف بہت زیادہ راغب تھی۔ اس لئے تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی، آریہ، قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔ بفضلہٖ تعالیٰ میں نے اس میں کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے، قادیانی مخاطب کا نمبر اول

رہا۔شاید اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی۔جن کی جانب مولانا مرحوم کو علم ہوا ہوتو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد

رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں' میں انے چند علمائے سلف کی تصنیفات سے خاص فوائد حاصل کیے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی' حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے'علم کلام میں امام بیہقی' امام غزالی' حافظ ابن حزم' علامہ عبدالکریم شہرستانی' حافظ ابن تیمیہ'شاہ ولی اللہ اور امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔'' (اہلحدیث کا مذہب طبع مکتبہ ثنائیہ سرگودھا)

آگے بڑھنے سے پہلے شیخ الاسلام مولانا امرتسری کے بارے میں چند مشاہیر کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں۔مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ

''مولانا ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے۔فن مناظرہ کے امام تھے۔خوش بیان مقرر تھے۔متعدد تصانیف کے مصنف تھے۔موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں اور مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک رواں دواں رہتے تھے۔اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے لئے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے' زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا کرے۔آمین

سید صاحب لکھتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں سے پنجاب میں فتنہ پیدا تھا۔انہوں (شیخ الاسلام مولانا امرتسری) نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کردی

یہاں تک طرفین میں مباہلہ بھی ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی۔ (یادرفتگان' ص:418)

مولانا اللہ وسایا حنفی دیوبندی لکھتے ہیں کہ

''آپ شیخ الاسلام مولانا امرتسری نے مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی سے مناظرے' مباحثے اور مقابلے کیے اس لیے آپ کو''شیر پنجاب'' کہا جاتا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی نے آخری عمر میں اعلان کیا تھا کہ میں اگر سچا ہوں تو میری زندگی میں مولوی ثناء اللہ کسی وبائی مرض میں مبتلا ہو کر مر جائیں گے اور اگر وہ سچے ہیں تو میں ان کی زندگی میں مر جاؤں گا۔ الحمد للہ مولانا ثناء اللہ کی زندگی میں مرزا قادیانی ہیضہ جو ایک وبائی مرض ہے اس کا شکار ہو کر آنجہانی ہو گیا۔ اس لئے آپ کو' فاتح قادیاں'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔''

(تذکرہ مجاہدین ختم نبوت'ص: 119)

مولانا اللہ وسایا نے مزید لکھا؛

''قادیانی آپ کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ کسی مناظرے کی تحریک ہوئی لیکن صرف یہ سن کر کہ اس مناظرے میں مولانا امرتسری پیش ہوں گے قادیانیوں نے دست کشی اختیار کر لی۔'' (تذکرہ مجاہدین ختم نبوت'ص:126)

اسی طرح ایک اور مشہور حنفی عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی' شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ردقادیانیت سے متعلق خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مرزا غلام احمد صاحب نے جب 1891ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا پھر 1901ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے اسلام نے ان کی تردید و مخالفت شروع کی۔ تردید و مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مدیر''اہل حدیث'' پیش پیش اور نمایاں تھے۔'' (قادیانیت؛ مطالعہ و جائزہ'ص:28)

معروف صحافی اور مصنف آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔

''جن علمائے اہل حدیث نے مرزا اور ان کے بعد قادیانی امت کو زیر کیا ان میں مولانا بشیر احمد سہسوانی' قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی سرفہرست تھے لیکن جس

شخصیت کو علمائے اہل حدیث میں "فاتح قادیان" کا لقب ملا وہ مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ انہوں نے مرزا اور اس کی جماعت کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ اپنی زندگی ان کے تعاقب میں گذار دی۔ ان کی بدولت قادیانی جماعت کا پھیلاؤ رک گیا۔ مرزا نے تنگ آ کر انہیں خط میں لکھا کہ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا ہے اور صبر کرتا رہا ہوں' اگر میں کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ لکھتے ہیں تو آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا ورنہ آپ سنت اللہ کے مطابق مکذبین کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔ خدا آپ کو نابود کر دے گا۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مفسد اور کذاب کو صادق کی زندگی میں اٹھا لے۔" (تحریک ختم نبوت' ص :40-41)

مرزا کے اس خط کے ایک سال ایک ماہ اور بارہ دن بعد مرزا قادیانی لاہور میں اپنے میزبان کے بیت الخلاء میں دم توڑ گیا جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ 15 مارچ 1948ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔ اس لحاظ سے آپ مرزا کی موت کے بعد چالیس سال زندہ رہے۔ ان گذارشات کے بعد مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قادیانیت کے خلاف تقریری' تصنیفی اور صحافتی خدمات کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ" سے چند باتیں مستعار لیتے ہیں۔

فاتح قادیان کی فاتحانہ سرگرمیاں

مرزا قادیانی سے تصادم کا آغاز وارتقا

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحی تفصیلات سے ظاہر ہے مرزا قادیانی کے دعوائے مسیحیت (جنوری 1891ء) کے وقت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ طالب علم تھے۔ اور اس دعویٰ کے ظہور سے کوئی ڈیڑھ سال بعد تحصیل علم سے فارغ ہو کر امرتسر تشریف لائے تھے۔ اس وقت آپ کے اساتذہ اور کبار علماء مرزا کی عیاریوں کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ اس لئے طبعی طور پر اس فتنے کے ابتدائی دور میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ کی سرگرمیاں کسی بڑے پیمانے میں نہیں جانی جا سکیں لیکن بدو شعور ہی سے آپ کے اندر اسلام اور اہل اسلام کو کامیاب و کامران اور سربلند دیکھنے کی جو آرزو تھی اس نے آپ کو مرزا سے بیگانہ بھی نہ رہنے

دیا۔ پہلے پہل جب مرزا نے نہایت معصومانہ انداز سے حمایت اسلام کا بیڑہ اٹھایا تھا تو دیگر علماء کی طرف آپ کو بھی ان سے ایک گونہ عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کیفیات کی تفصیل شیخ الاسلام مولانا نے خود بیان فرمائی ہے۔

مرزا سے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی ملاقات

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

جس طرح مرزا کی زندگی کے دو حصے (براہین احمدیہ تک اور اس کے بعد) ہیں۔ اس طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک اور براہین سے بعد۔ براہین تک میں مرزا سے حسن ظن تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر 17-18 سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پیادہ تنہا قادیان گیا۔ (بٹالہ سے قادیان کا فاصلہ گیارہ میل ہے)۔ ان دنوں مرزا ایک معمولی مصنف کی حیثیت میں تھے۔ میں نے وہاں جو دیکھا میرے دل میں جو ان کی بابت خیال تھے وہ پہلی ملاقات میں تبدیل ہو گئے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں' یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟ میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ تھا فوراً میرے دل میں آیا کہ انہوں نے مسنون طریقہ کی پرواہ نہیں کی' کیا وجہ ہے؟ مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا اس لئے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا۔'' (تاریخ مرزا ص 69)

مرزا کے دعوائے مسیحیت پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا ردعمل

یہ تو اس وقت کی بات ہے جب مولانا محض ایک طالب علم اور مرزا قادیانی محض ایک مبلغ اسلام تھے۔ لیکن جب مرزا دعوائے مسیحیت کے ساتھ جلوہ طراز ہوگئے تو اس پر مولانا کے جو کچھ تاثرات تھے انہیں مولانا ہی کے الفاظ میں سنئے' فرماتے ہیں۔

''ایک دفعہ کا واقعہ خاص قابل ذکر ہے کہ حکیم نور الدین صاحب سے بمقام امرتسر رات کے وقت تخلیہ میں کئی گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ بحث و مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ آپ حسب تحریر مرزا مندرجہ رسالہ ''نشان آسمانی'' (یہ رسالہ 26 مئی 1892ء کو پہلی بار طبع ہوا تھا) استخارہ کیجئے۔ اللہ کو جو منظور ہوگا آپ پر کھل جائے گا۔

ہر چند میں ایسے استخاروں اور خوابوں پر بمقابلہ نصوص شرعیہ کے اعتماد اور اعتبار کرنا ضمناً دعویٰ عصمت یا مساوات معصوم بلکہ برتری کے برابر جانتا تھا۔ تاہم ایک محقق کیلئے کسی جائز طریق فیصلہ پر عمل نہ کرنا جیسا کچھ شامل ہوتا ہے' مجھے بھی ناگوار تھا کہ میں حسب تحریر مرزا جی ان کی نسبت استخارہ نہ کروں' چنانچہ میں نے پندرہ روز حسب تحریر ''نشان آسمانی'' مصنفہ مرزا جی استخارہ کیا اور میرا رب جانتا ہے کہ نے اپنی طرف سے صفائی میں کوئی کسر نہ رکھی۔ بالکل رنج اور کدورت کو الگ کر کے نہایت تضرع کے ساتھ جناب باری میں دعائیں کیں بلکہ جتنے دنوں تک استخارہ کرتا رہا اتنے دنوں تک مرزا جی کے بارے میں مجھے یاد نہیں کہ کسی سے مباحثہ یا مناظرہ بھی کیا ہو۔ آخر چودھویں رات میں نے مرزا جی کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک تنگ مکان میں سفید فرش پر بیٹھے ہیں۔ میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ آپ کی مسیحیت کے دلائل کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم دوز ینے چھوڑ جاتے ہو۔ پہلے حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ دوم عدم رجوع کا مسئلہ طے ہونا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان دونوں کو طے شدہ ہی سمجھئے۔ میری غرض یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے الفاظ میں جتنے لفظوں کی حقیقت حال ہے ان کو چھوڑ کر حسب قائدہ علمیہ باقی الفاظ میں مھما امکن مجاز کیوں مراد ہے۔ یعنی اگر بجائے مسیح کی مثیل مسیح بھی آئے تو ان مقامات پر جہاں کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے کیوں نہ آئے' کیونکہ ان مقامات پر مسیح یا مثیل مسیح کا آنا محال نہیں۔ اس کا جواب مرزا نے ابھی دیا ہی نہ تھا کہ دو آدمی اور آ گئے۔ ان کی آؤ بھگت میں ہم دونوں ایک دوسرے کی مواجہت سے ذرا الگ ہوئے تو مرزا جی کو دیکھتا ہوں کہ لکھنؤ کے شہدوں کی طرح سکڑا سا چہرہ اور داڑھی بالکل رگڑ کر کتری ہوئے ہے۔ سخت حیرانی ہوئی' اسی حیرانی میں بیدار ہو گیا۔ جس کی تعبیر میرے ذہن میں آئی کہ مرزا کا انجام اچھا نہیں۔

(الہامات مرزا طبع ثالث ص: 4-5-6)

ردقادیانیت کا آغاز وارتقا

اس اقتباس سے ایک طرف یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی دلائل وشواہد کی روشنی میں بھی اور خود مرزا کے بتلائے ہوئے طریقہ تحقیق کے مطابق بھی ان کے دعاوی کو خوب خوب جانچا لیکن انہیں ہر معیار پر کھوٹا'

غلط اور پرفریب پایا۔

دوسری طرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے اس مذکورہ استخارے سے پہلے بھی مرزا کے دعوے کی بابت بحث ومباحثہ کا سلسلہ خاصی گرم جوشی کے ساتھ جاری کر رکھا تھا اور اس استخارے کے بعد بھی۔ متعدد قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ استخارہ 1892ء اور 1894ء کے درمیان کسی وقت کیا گیا تھا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا نے تعلیم سے فارغ ہو کر واپس آتے ہی مرزا کی تردید کا محاذ سنبھال لیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے اس ابتدائی دور میں جو اقدامات کئے اور جن مواقع پر کئے' سخت افسوس ہے کہ ہماری دانست کی حد تک اب ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ تاہم ان کی اہمیت کا اندازہ اس طرز تخاطب سے لگایا جا سکتا ہے جو مرزا صاحب نے فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بالمقابل اختیار کیا تھا۔

مرزا صاحب نے 1892ء میں ''انجام آتھم'' لکھی۔ اس میں اپنے مکذبین پر بری طرح برسے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

''اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑ دو گے؟ اے ظالم مولویو! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا وہی عوام کالانعام کو پلایا۔''

(روحانی خزائن' ص' 21 ج' 11)

اسی سلسلہ میں آگے چل کر مرزا نے اپنے اشد اور نامی مخالفین میں مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو بہ پہلو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی لکھا ہے۔ اور ان تینوں کے بابت ارشاد فرمایا ہے۔

''یہ جھوٹے ہیں کتوں کی طرح مردار کھاتے ہیں۔'' (روحانی خزائن' ص' 309 ج' 11)

اس کتاب کے ضمیمہ صفحہ 20 کے حاشیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ہی مرزائیت کی تردید میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی سرگرمیاں اس مقام پر پہنچ چکی تھیں کہ مرزا قادیانی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مباہلہ کے لیے سلسلہ

جنابانی اور خط وکتاب کا آغاز ہو چکا تھا۔ پھر اس کتاب کے ضمیمہ 20 میں بھی مرزا نے مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کو دعوت مباہلہ دی ہے۔ (روحانی خزائن' ص' 304' ج: 11) یہ الگ بات ہے کہ جب یہ علماء مباہلہ کے لیے مقابل آئے تو مرزا صاف مکر گئے۔

''انجام آتھم'' کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو مرزا کی پیشگوئی کے مطابق 5 ستمبر 1894ء تک مر جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود زندہ رہا۔ اس پر علمائے کرام اور عامتہ المسلمین نے مرزا جی کی وہ درگت بنائی کہ منہ دکھانا مشکل ہو گیا۔ لیکن تقریباً مزید 2 سال بعد 27 جولائی 1896ء کو آتھم وفات پا گیا تو مرزا نے جھٹ ''انجام آتھم'' لکھی اور اپنی لمبی چوڑی بکواس کے ساتھ ساتھ اپنے مخالف علماء کرام کو دل کھول کر گالیاں دیں۔

اس تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ 1894ء یا اس سے پہلے ہی ردقادیانیت میں اتنی پیش رفت کر چکے تھے کہ ان کا نام صف اول کے مجاہدین کے پہلو بہ پہلو آنا شروع ہو گیا تھا۔

پھر 25 مئی 1900ء کو مرزا قادیانی نے ''معیار الاخیار'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا' اور اس میں کبار علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ اس اشتہار کے مدعوین میں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام موجود ہے۔ اور اس اشتہار کے جواب میں جو لوگ مباحثہ کے لیے اٹھے ان میں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔

اسی طرح 20 جولائی 1900ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی' دیکھیے: (مرقع قادیانی جنوری 1932ء ص 13)

''میرے مقابل سات گھنٹہ زانو بزانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی تفسیر لکھیں جو تقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ موید من اللہ سمجھا جائے گا۔''

(تاریخ مرزا' ص: 57 و مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود جلد نمبر 3' ص: 335)

اس مقابلہ تفسیر نویسی کی روداد نہایت دلچسپ ہے۔ لاہور میں مقررہ مقام پر فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء تشریف لائے۔ لیکن مرزا صاحب

قادیان میں گھر کے اندر ہی دبک کر بیٹھ رہے اور وہیں سے علماء اسلام کے فرار کا اشتہار شائع کر دیا۔

ان چند متفرق واقعات سے فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی اس ٹھوس علمی جدوجہد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو آپ نے رد قادیانی کے سلسلے میں اس فتنے کے نمود وظہور کے ابتدائی ایام ہی سے اختیار کر رکھی تھی۔

قادیانیت کی تردید مرزا قادیانی کی زندگی میں

''الہامات مرزا'' کی تالیف اور اس کے اثرات (1901)

یہ کتاب فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دعاوی اور استخارات کے بعد تصنیف کی تھی جن کا ذکر پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔ آپ نے اس کی تصنیف کے لیے اس وقت قلم اٹھایا، جب آپ تدریسی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر اہل باطل کی تردید کے لیے تحریر وتقریر کے میدان میں اتر چکے تھے۔ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیت کی تردید میں آپ کی یہ پہلی باقاعدہ اور مستقل تصنیف ہے۔

مرزا صاحب کے سلسلہ میں اصل موضوع بحث صرف ایک ہی چیز ہو سکتی تھی کہ آیا وہ اپنے دعوائے مسیحیت میں صادق ہے یا کاذب؟ لیکن مرزا قادیانی کی ہوشیاری دیکھی کہ وہ علمائے اسلام کو حیات ووفات مسیح کی طول طویل بحث میں الجھا کر اصل مسئلہ سے لوگوں کی توجہ ہٹائے رکھتے تھے۔ اور علمائے کرام یہ سمجھ کر اس مسئلہ میں الجھے ہوئے رہتے تھے کہ آسمان پر مسیح علیہ السلام کا رہنا اور قرب قیامت میں وہاں سے نازل ہونا ثابت کر دیا جائے تو مرزا صاحب خود بخود جھوٹے ثابت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرزا صاحب آسمان سے اترنے کی بجائے قادیان میں پیدا ہوئے۔ لیکن اس علمی بحث کا نتیجہ یہ تھا کہ مرزا صاحب کی اصل حقیقت بے نقاب نہ ہو پائی تھی اور عوام یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی اسلام کے بہت سے اختلافی مسائل کی طرح ایک اختلافی مسئلہ ہے جس میں مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ مرزا کو اس سے یہ فائدہ تھا کہ وہ کسی خاص مشکل میں پڑے بغیر لوگوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرتے رہتے تھے۔

اس صورتحال کے مدنظر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ادھر ادھر کی تمام طولانی بحثوں سے دامن سمیٹ کر اپنی اس کتاب ''الہامات مرزا'' میں پوری بحث صرف اس ایک نقطہ پر مرکوز کر

دی ہے کہ مرزا اپنے دعوے میں صادق ہے یا کاذب؟ اور پھر ان کے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے معیار بھی اسی چیز کو قرار دیا ہے جسے خود مرزا نے اپنی سچائی اور جھوٹ کا معیار کہا ہے۔ اس بارے میں مرزا کا ارشاد یہ ہے۔

"ہمارا صدق یا کذب جانچنے کیلئے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہو سکتا۔" (آئینہ کمالات اسلام، ص: 288، روحانی خزائن، ص: 288 و مجموعہ اشتہارات، ص: 159، ج: 1)

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مرزا کا یہ ارشاد نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"چونکہ قادیانی مذہب کی جانچ کی یہی ایک اصل الاصول ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس طریق سے اس ادعا کی جانچ کریں جس سے مرزا کے الہامی ہونے کی حقیقت کھل جائے۔" (دیباچہ: الہامات مرزا طبع ششم، ص: 2)

چنانچہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مرزا کی ان چار پیشین گویوں پر بحث کی ہے جو اس وقت تک شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھیں۔ مولانا نے ہر ہر پیشین گوئی پر کئی پہلوؤں سے بحث کی ہے اور خود مرزا کی عبارتوں اور ان کے بیانات کی روشنی میں نہایت ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہے۔ جو مرزا کے جھوٹے اور بر خود غلط ہونے کی واضح نشانی ہے۔ اگلے ایڈیشنوں میں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا صاحب نے اس نہج پر ان مزید پیشین گوئیوں پر بحث کا اضافہ کیا ہے۔ جنہیں مرزا نے بعد کے ادوار میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ کتاب قادیانیت کی تردید کے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی رہی ہے اور اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کی اشاعت نے بہت سے اہل ایمان کے ڈگمگاتے ہوئے قدم جمادیئے اور قادیانی صف کے اندر ہلچل مچا دی۔ مرزا کے ایک بڑے خصوصی مرید اور عظیم موید ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے خیالات میں سب سے پہلا تغیر اسی کتاب کے ذریعہ آیا۔ پھر وہ 1906ء میں قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ اور اس کے بعد اتنی سرگرمی کے ساتھ مرزا کی تردید شروع کر دی کہ مرزا کے مرتے دم تک بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔

یہ کتاب جب منظر عام پر آئی تو بڑے بڑے علماء اور شیوخ نے ان کی اہمیت کا اعتراف کیا۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اس سے بڑھ کر اس مضمون میں کوئی رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ مرزا کے اکذب الناس ہونے پر حجت واضح ہے۔ مرزا کے عقائد میں متردین کا تو کیا ذکر' معتقدین کے اعتقاد کو بھی (بشرط انصاف) ہلا دینے والا ہے۔''

رئیس امرتسر مولانا احمد اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:'

'کتاب الہامات مرزا'' واسطے تردید مرزا کی نرالی طرز کی ہے۔ منصف عاقبت اندیش اس کو دیکھ کر کبھی مرزا کا معتقد نہیں رہ سکتا۔''

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا:

''میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے رسالہ (الہامات مرزا) کے ملاحظہ سے جس قدر اہل حق کے لیے تقویت ہوگی اسی قدر بلکہ اس سے بڑھ کر مقابل کے دل میں رعب ڈالا جائے گا۔'' (ان اقتباسات کے لئے ملاحظہ ہو: الہامات مرزا' ص:1)

اور واقعی پیر صاحب کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی اور مرزا مرتے دم تک اس کو جواب نہ دے سکے حالانکہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1901ء کے اخیر یا 1902ء کے شروع میں شائع ہوا تھا (جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا)

اس کے پہلے ایڈیشن کے ساتھ مرزا صاحب کو یہ چیلنج دیا گیا تھا کہ جواب لکھیں' تو چھپا تھا اس انعام کے ساتھ پانچ سو روپے نقد دیئے جائیں گے دوسرے ایڈیشن پر یہ رقم ایک ہزار کر دی گی۔ اس چیلنج سے قادیانی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس لئے تیسرے ایڈیشن کے بعد ایک سال کا انتظار کیا گیا کہ شاید کچھ قادیانی ہفوات نمودار ہوں مگر مرزا اس طرح مرعوب تھے کہ اس رسالے کے جواب میں ان کے قلم سیال سے ایک حرف بھی نہ ٹپک سکا۔ آخر 1904ء کے وسط میں تیسرا ایڈیشن شائع ہوا اور انعامی رقم دو ہزار کر دی گئی۔ مگر قادیانی سلطان القلم کا قلم مرتے دم تک حرکت میں نہ آ سکا۔

اس کے بعد کتاب کے مزید تین یا تین سے زیادہ ایڈیشن شائع ہوئے۔ ہر ایڈیشن میں مولانا نے تازہ بتازہ مباحث کا اضافہ کر کے اس رسالہ کو اپنے موضوع پر انتہائی مکمل' یکتا اور منفرد بنادیا تھا۔

موضع مد ضلع امرتسر میں مناظرہ (اکتوبر 1902ء)

الہامات مرزا کی اشاعت سے مرزا اوران کے ہواخواہوں کو جو زخم لگا تھا وہ ابھی ہرا ہی تھا کہ ان پر اچانک ایک اور مصیبت آ پڑی جو خود ان کی اپنی لائی ہوئی تھی۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں۔

"تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موضع مد ضلع امرتسر میں مرزائیوں نے شوروشغب کیا تو ان لوگوں نے (یعنی باشندگان موضع مدنے) لاہور ایک آدمی بھیجا کہ وہاں سے کسی عالم کو لاؤ کہ ان سے مباحثہ کریں۔ اہل لاہور کے مشورے سے...... ع

قرعہ فال بنام دیوانہ زدند

ایک تار آیا اور صبح ہوتے ہی جھٹ سے ایک آدمی آ پہنچا کہ چلئے ورنہ گاؤں کا گاؤں بلکہ اطراف کے لوگ بھی سب گمراہ ہو جائیں گے۔ خاکسار چارونا چار موضع مد مذکور پہنچا' مباحثہ ہوا۔ (الہامات مرزا' ص:95)

یہ مناظرہ 29' 30 اکتوبر 1902ء کو ہوا تھا اور بڑے پیمانے پر اور بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ مرزائیوں کے مناظر مولوی سرور شاہ تھے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ مرزا اپنے الہامی دعوؤں میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ (کادیہ: 346/2' الہامات مرزا' ص:29-28)

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کے مقرر کئے ہوئے معیار اور اصول کے مطابق انہیں قطعی طور پر جھوٹا اور فریب کار ثابت کیا۔ بیچارے سرور شاہ نے فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل توڑنے اور ان کی گرفتوں سے جان چھڑانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر...... ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

آخر شکست فاش کھا کر بڑی رسوائی اور روسیاہی کے ساتھ اپنے رفقاء سمیت میدان

چھوڑ کر بھاگ نکلے۔(کاویہ:85/1)

مرزا جی کے ان فرستادوں نے جب قادیان پہنچ کر اس المناک انجام کی داستان اور اپنی ذلت ورسوائی کے احوال ان کے گوش گذار کیے تو انہوں نے فرط حسرت سے بڑے درد انگیز اور کرب خیز اشعار کہے اور جوش غضب میں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو دل کھول کر گالیاں دیں۔ بطور ان کی چند گالیاں آپ بھی سن لیجئے' جو یہ ہیں:

''تباہ کن' گمراہ کن' جھوٹا' بھیڑیئے کی طرح بھونکنے والا' کتے کی طرح بھونکنے والا' بھیڑیا' متکبر' جہنم کا رہنما' احمق' اجڈ' ہذیان گو' فتنہ خیز' فساد انگیز' آتش فساد' بھڑکانے والا' دجال' بھوت' ابن الھویٰ' صاحب مکائد' بچھوؤں کی طرح ڈنگ مارنے والا' بے روح جسم' ہانڈی کی طرح جوش مارنے والا' نافہم' غدار الزماں' خاسر' راغم الانف' فحش گو' وغیرہ وغیرہ۔'' (دیکھیے قصائد احمدیہ' ص:107 تا 133)

اس مناظرے کے اثرات ونتائج مسلمانوں کے حق میں بہت خوشگوار رہے۔ قادیانی مکروفریب کا پردہ اس طرح چاک ہوگیا تھا کہ سادہ لوح مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے قدم پوری مضبوطی کے ساتھ اسلام پر جم گئے۔ موضع مد اور اس کے اطراف کے لوگوں نے قادیانیوں کو جوش حمایت میں چندے دیئے تھے' اب وہ قادیانیوں کے مخالف تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے قصیدہ میں ان سارے ''مصائب'' کا بڑے درد انگیز' حسرت ناک اور غضب آلود انداز میں رونا رویا ہے۔ سرزمین مد کو عذاب کی دھمکی دی ہے اور اپنی بے کسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ ع

فافردت افراد الحسین بکربلا

وفی الحی صرنا مثل من کان یقبر

پس اس جگہ میں اکیلا رہ گیا جیسا کہ حسین کربلا میں اور قوم میں ہم ایسے ہوگئے جیسا کہ مردہ دفن کیا جاتا ہے۔ (اعجاز احمدی' ص:48' روحانی' ص:155 ج:19)

سئمنا تکالیف التطاول من عدا

تمادت لیالی الجور یا ربی انصر

طردنا الوجھلک من مجالس

قومنا فانت لنا حب فرید و موثر

ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں اور ظلم کی راتیں لمبی ہو گئیں' اے اللہ مدد کر۔

اے میرے اللہ! تیرے منہ کے لیے ہم اپنی مجلسوں سے رد کر دیئے۔ پس تو ہمارا یگانہ دوست ہے جو سب پر اختیار کیا گیا۔ (اعجاز احمد' ص:54' روحانی خزائن' ص:158' ج:19)

یہ معلوم ہے کہ اب تک مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا کے سب سے بڑے حریف پنجہ فگن تھے لیکن اب اس مناظرے کے بعد مرزا کے دل و دماغ پر فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ہیبت کا بوس بن کر سوار ہو گی اور وہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے سخت گیر مناظر قرار دینے لگا۔ چنانچہ لکھتا ہیں:

الا رب خصم قد رایت جداله   وما ان راینا مثله من یزور

خبردار رہو! میں نے بہت سے بحث کرنے والے دیکھے ہیں مگر اس (فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ) جیسا فریبی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ (اعجاز احمدی' ص:48' روحانی خزائن:160/19)

فاومیک یاردف الحسین ابا الوفا   انب واتق اللہ المحاسب واحذر

پس میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اے محمد حسین (بٹالوی) کے پیچھے پیچھے چلنے والے ابوالوفا! اللہ کی طرف جھک اور حساب لینے والے اللہ سے خوف کھا اور ڈر۔ (روحانی خزائن' ج نمبر19' ص:202)

فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ قادیان میں

(جنوری1903ء)

مرزا کے جس قصیدے کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے وہ موضع مد میں قادیانیوں کی شکست فاش کی یادگار تو تھا ہی' مرزا کی آئندہ کچھ شکستوں' ذلتوں اور رسوائیوں کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوا اور خود مرزا جی کی حکمت عملی کی وجہ سے ہوا۔ ہوا یہ کہ مرزا جی نے جب یہ قصیدہ تیار کیا تو شکست کا داغ دھلنے کے لیے اسے معجزہ قرار دے دیا اور اس کا نام قصیدہ اعجازیہ رکھا۔ پھر مزید کچھ دعوے

اور تحدیات لکھ کر اعجاز احمدی کے نام سے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ اور اس کتاب ''اعجاز احمدی'' کے صفحہ: 88 پر اس مضمون کا اشتہار دیا کہ ''اگر مولوی ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو عربی نظم جیسا میں نے بنایا ہے پانچ روز میں بنا دے تو میں دس ہزار روپیہ اس کو انعام دوں گا۔

''اس کے جواب میں مولانا نے جو کچھ کارروائی کی وہ ان ہی کی زبانی سنیے! لکھتے ہیں۔

''میں نے 21 نومبر 1902ء کو ایک اشتہار دیا جس کا خلاصہ 29 نومبر 1902ء کے پیسہ اخبار لاہور میں چھپا تھا کہ آپ (مرزا جی) پہلے ایک مجلس میں اس قصیدہ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو میں پیش کروں صاف کر دیں تو پھر میں آپ سے زانو بزانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے تمام زور لگا کر ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں اور مخاطب کو جسے آپ کی مہلت کا کوئی علم نہیں' محدود وقت کا پابند کریں۔ اگر واقعی آپ اللہ کی طرف سے ہیں اور جدھر آپ کا منہ ہے ادھر اللہ کا منہ ہے (جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے) تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ میدان میں طبع آزمائی نہ کریں بلکہ بقول حکیم سلطان محمود ساکن راولپنڈی......ع

بنائی آڑ کیوں دیوار گھر کی
نکل ' دیکھیں تری ہم شعر خوانی

حرم سرا ہی سے گولہ باری کریں۔ (الہامات مرزا' ص:96)

مرزا جی اور ان کی امت کے اعصاب پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ہیبت اس طرح سوار تھی کہ کسی کو اس چیلنج کے جواب میں میدان کے اندر آنے کی جرات نہ ہوئی بلکہ شیر پنجاب کی یہ گرج سن کر قادیان کوچہ بازار اور در و دیوار پر سناٹا چھا گیا۔

مولانا نے اپنے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں اپنے رسالہ میں اس کا ذکر کر دوں گا۔ چنانچہ مولانا نے ''الہامات مرزا'' کی اگلی اشاعتوں میں دکھلایا ہے کہ یہ قصیدہ جسے مرزا قادیانی معجزہ قرار دے رہے ہیں' اس کے کم از کم پچاس اشعار فصاحت و بلاغت تو درکنار صحت کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہیں اور شدید ترین فنی عیوب اور قباحتوں کا مرقع ہیں۔ باقی رہا عربی زبان و ادب کا معاملہ تو اس لحاظ سے تو پورا کا

پورا قصیدہ ہی لچر پوچ ہے۔

خیر اس طرح کی ضربیں تو مرزا سہنے کے عادی تھے ہی لیکن اس سلسلہ میں جو دوسرا واقعہ پیش آیا وہ خاصا اہم اور موثر تھا اور اس نے مرزا کے اعجاز و الہام کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعجاز احمدی میں صفحہ؛ 11 پر مرزا نے فرط جوش میں لکھ مارا؛

''اگر یہ (مولوی ثناء اللہ) سچے ہیں تو قادیان میں آ کر پیشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کیلئے ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا اور آمد و رفت کا کرایہ علیحدہ۔ (روحانی خزائن' ص:118 'ج:19)

پھر صفحہ: 23 پر لکھا ہے:

''مولوی ثناء اللہ نے (مباحثہ مد میں) کہا تھا کہ سب پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں اس لئے ہم (مرزا) ان کو مدعو کرتے ہیں اور اللہ کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کیلئے قادیان میں آئیں۔ یاد رہے کہ رسالہ نزول المسیح ڈیڑھ سو پیشگوئی میں نے لکھی ہے تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے اور در بدر کی گدائی کرنے سے نجات ہو گی بلکہ ہم اور پیشگوئیاں بھی معہ ثبوت ان کے سامنے پیش کر دیں گے اور اسی وعدہ کے موافق فی پیشگوئی سو روپے دیتے جاویں گے۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے' پس اگر میں مولوی صاحب موصوف کیلئے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے لوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ ہو جائے گا وہ سب ان کی نذر ہو گا۔ جس حالت میں دو دو آنہ کے لیے در بدر خراب ہوتے پھرتے ہیں اور اللہ کا قہر نازل ہے اور مردوں کے کفن (یہ مرزا قادیانی کا سو فیصد جھوٹ ہے) اور واعظ کے پیسوں پر گذارہ ہے۔ ایک لاکھ روپیہ حاصل ہو جانا ان کے لیے ایک بہشت ہے لیکن اگر میرے اس بیان کی طرف توجہ نہ کریں اور اس تحقیق کے لیے پابندی شرائط مذکورہ جس میں بشرط ثبوت تصدیق ورنہ تکذیب دونوں شرط ہیں' قادیان میں نہ آئیں تو لعنت ہے اس لاف و گزاف پر جو انہوں نے موضع مد میں مباحثہ کے وقت کی اور سکت بے حیائی سے جھوٹ بولا......
وہ انسان کتوں سے بدتر ہے جو بلا وجہ بھونکتا ہے اور وہ زندگی لعنتی ہے جو بے شرمی سے گذرتی ہے۔'' (روحانی خزائن' ص:132 'ج:19)

ان "چار ارشادات عالیہ اور کلمات طیبات" سے مرزا کے اپنے دل کی بھڑاس تو نکل سکتی تھی لیکن اس کے مریدوں کے پائے ثبات میں جو لغزش آ چکی تھی' اسے پختگی میں بدلنے کیلئے ناگزیر تھا کہ وہ کوئی روحانی حربہ بھی استعمال کریں۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اعجاز احمدی کے 'ص: 37 پر اس چیلنج کے سلسلہ میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تین پیشین گوئیاں بھی داغ دیں۔ ارشاد ہوا:

"واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے۔"

(1) وہ قادیان میں تمام پیشین گوئیاں کی پڑتال کیلئے میرے پاس ہرگز نہ آئیں گے اور سچی پیشین گوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لیے موت ہوگی۔

(2) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے۔

(3) اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد ان کی روسیاہی ثابت ہوگی" (روحانی خزائن' ص: 128' ج: 19)

نمبر سوم کے سلسلے میں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے جو جوابی چیلنج دیا اس سے مرزا جی اور ان کی پوری امت عاجز رہ کر روسیاہ ہوئی۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

نمبر دوم کا جواب مولانا کی طرف سے اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا:

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت (لقمان؛ 34)

کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا اور کون سی سرزمین میں مرے گا۔

لیکن قدرت نے چند برس بعد خود اس کا جواب فراہم کر دیا۔ (مرزا اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب' صادق سے پہلے مر جائے اور اس کے بعد مرزا (کاذب) اس جہان بے ثبات سے بصد حسرت و یاس گزر گئے اور فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد چالیس برس تک ان کی امت کی سرکوبی کیلئے زندہ رہے۔ **الحمد للہ علی ذلک**

ہاں! نمبر اول کا جواب بے شک فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا کے بس میں تھا یعنی

قادیان پہنچنا۔ چنانچہ آپ رمضان شریف (جو شروع ہو چکا تھا) گزرتے ہی 10 جنوری 1903ء کو پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لیے بلائے بے درماں کی طرح قادیان جا دھمکے اور ظاہر ہے کہ صرف آپ کے قادیان پہنچ جانے ہی سے مرزا کی پیشین گوئی نمبر 1 بھی باطل ہو گئی۔

خیر! اب سنیے کہ مولانا نے قادیان پہنچ کر کیا کارروائی کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

''10 جنوری 1903ء کو راقم نے قادیان میں پہنچ کر مرزا جی کو مندرجہ ذیل رقعہ لکھا جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی حسب دعوت اعجاز احمدی صفحہ: 11 و صفحہ: 23 قادیان میں اس وقت حاضر ہے۔ جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ توقف نہ ہوتا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں۔ چونکہ آپ (بقول خود) ایک ایسے عہد جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں جو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لیے عموماً اور مجھ جیسے مخلصوں کے لیے خصوصاً ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔ میں مکرر آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اسی عہدہ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور ہی موقع دیں۔''

راقم ابوالوفاء ثناء اللہ

10 جنوری 1903ء وقت سوا تین بجے دن کے

اس رقعے کا جواب مرزا صاحب کی طرف سے نہایت ہی شیریں اور مزیدار پہنچا جو مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. از طرف عائذ باللہ الصمد، غلام احمد، عافاہ اللہ ایدہ

بخدمت جناب مولوی ثناء اللہ صاحب!

آپ کا رقعہ پہنچا اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک وشبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں رفع کرا دیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگر چہ میں کئی سال ہو گئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر میں ہمیشہ حق کے شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر چہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ کر دیا ہے کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے وہ یہ کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لیے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور وہی اعتراض کریں گے کہ آنحضرت ﷺ پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یا حضرت یونسؑ علیہ السلام پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن کی پیشین گوئیوں اندر نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر کر دیں کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجالس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کیلئے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری شرط یہ ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض آپ کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے چوروں کی طرح آ گئے اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہو گا۔ جیسے صم بکم۔ یہ اس لیے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے۔ اول صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹہ تک میں اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو

سنا دیں۔ ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو شبہات

(مولانا لکھتے ہیں؛ چہ خوش ہم تو آپ کی دعوت کے مطابق تکذیب کو آئے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ شبہات دور کرانے آئے ہیں آپ کی معمولی بات ہے۔) دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں بآواز بلند لوگوں کو سنا دوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دور کر دیئے جائیں گے لیکن اگر یہ چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جائے تو ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری 1903ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں 15 جنوری 1903ء کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے لیکن چودھویں جنوری 1903ء تک تین گھنٹہ تک آپ کیلئے خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔

سوچ کر دیکھ لو یہ بہتر ہوگا کہ بذریعہ تحریر جو دو سطر زیادہ نہ ہو۔ ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جائیں گے اور میں وہ وسوسے دور کرتا جاؤں گا۔ ایسا صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسے دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کر لے گا۔ اس کو اپنے وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے نہیں ان کی تو نیت ہی اور ہوتی ہے۔

بالآخر اس غرض کیلئے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اول چونکہ میں "انجام آتھم" میں اللہ تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں۔ (یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کیونکہ انجام آتھم 1896ء میں چھپی تھی اور مرزا نے اس کے بعد 25 مئی 1900ء کے اشتہار معیار الاخیار میں علماء کو مباحثے کی دعوت دی ہے) کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقع دیا جائے گا کہ آپ اول ایک اعتراض لکھ کر

پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور منہاج نبوت کے رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن اسی طرح دوسری لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ وفساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اللہ کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ (الحمد للہ! مرزا قادیانی نے دیکھ لیا) آمین۔ سو اب میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبوی کو ساتھ لے جاتے ہیں اور چاہئے کہ اول آپ مطابق اس عہد موکد بقسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیج دیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا اور آپ کو بلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔

مرزا غلام احمد بقلم خود (مہر)

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''وہ کیسی صفائی اور ہوشیاری کے ساتھ بحث سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق حق کیلئے مجھے بلایا ہے جو بالکل بحث کے ہم معنی لفظ ہے۔ (ملاحظہ ہو اعجاز احمدی' ص:23) اور اب صاف منکر ہیں بلکہ مجھے ایسی خاموشی کا حکم دیتے ہیں کہ صم بکم (بہرہ گونگا) ہو کر آپ کا لیکچر سنتا جاؤں۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ بکم یعنی گونگا ہو کر تو میں سن سکتا ہوں' صم (بہرہ) ہو کر کیا سنوں گا۔ شاید یہ بھی معجزہ ہو۔ خیر بہر حال اس کا جواب جو خاکسار کی طرف سے گیا وہ درج ذیل ہے۔

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ . اما بعد

از خاکسار ثناء اللہ

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب

آپ کا طولانی رقعہ مجھے پہنچا۔ مگر افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا وہی ظاہر ہوا۔ جناب والا! جب کہ میں آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی 11۔23 حاضر ہوں' اور

صاف لفظوں میں رقعہ اولیٰ میں انہیں صفحوں کا حوالہ دے چکا ہوں تو پھر اتنی طول کلامی جو آپ نے کی ہے بجز العادة طبيعة ثانية کے اور کیا معنی رکھتی ہے؟

جناب من! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ اعجاز احمدی کے صفحات مذکورہ پر تو اس نیاز مند کو تحقیق کے لئے بلاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں خاکسار آپ کی پیشگوئیوں کو جھوٹی ثابت کر دوں تو فی پیشگوئی مبلغ سو روپیہ انعام لوں اور اس رقعہ میں آپ مجھ کو ایک دو سطر لکھنے کا پابند کرتے ہیں اور اپنے لئے تین گھنٹہ تجویز کرتے ہیں۔ تلك اذا قسمة خيزى۔

بھلا کیا یہ تحقیق کا طریقہ ہے کہ میں تو ایک دو سطریں لکھوں اور آپ تین گھنٹے تک فرماتے جائیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری ہیں اور تحقیق سے اعراض کرتے ہیں۔ جس کی بابت آپ نے مجھے در دولت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔ جس سے عمدہ میں امرتسر ہی میں بیٹھا ہوا کر سکتا تھا اور کر چکا ہوں مگر میں چونکہ اپنے سفر کی صعوبت کو یاد کر کے بلا نیل مرام واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں جانتا اس لیے میں آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں کہ میں دو تین سطریں ہی لکھوں گا اور آپ بلا شک تین گھنٹے تک تقریر کریں گے مگر اتنی اصلاح ہوگی کہ میں اپنی تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سناؤں گا اور ہر ایک گھنٹے کے بعد پانچ منٹ دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کروں گا اور چونکہ مجمع آپ پسند نہیں کرتے۔ اس لیے فریقین کے آدمی محدود ہوں گے۔ جو پچیس پچیس سے زائد نہ ہوں گے۔ آپ میرا بلا اطلاع آنا چوروں کی طرح فرماتے ہیں۔ کیا مہمانوں کی خاطر اسی کو کہتے ہیں؟ اطلاع دینا آپ نے شرط نہیں کیا تھا علاوہ اس کے آپ کو آسمانی اطلاع ہوگئی ہوگی۔ آپ جو مضمون سنائیں گے وہ اسی وقت مجھ کو دے دیجیے گا۔ کاروائی آج ہی شروع ہو جائے۔ آپ کے جواب آنے پر میں اپنا مختصر سا سوال بھیج دوں گا باقی لعنتوں کی بابت وہی عرض ہے جو حدیث میں موجود ہے۔...... (وہ یہ ہے کہ لعنت کا مخاطب اگر لعنت کا حق دار نہیں تو کرنے والے پر پڑی ہے۔)

11 جنوری 1903

مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں اور بالکل بجا لکھتے ہیں۔

''کیسے معقول طریق سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ علیہ نے اپنے وجوہات بتلائے اور کس نرمی سے مرزا جی کی پیش کردہ تجویز تھوڑی سی خفیف اصلاح کے ساتھ بعینہ منظور کر لی۔ مگر مرزا جی اور معقولیت ع این خیال است و محال است و جنوں چونکہ ہر ایک انسان کو اپنا علم حضوری ہے۔ مرزا جی بھی اپنا پول خوب جانتے تھے۔ اس لیے آپ اس رقعہ پر ایسے خفا ہوئے اور اتنی گالیاں دیں کہ کہنے سننے سے باہر۔ ہم ان کو اپنے لفظوں میں نہیں' بلکہ قاصدوں کے لفظوں میں لکھتے ہیں۔

(شہادت: ہم اللہ کو حاضر و ناضر جان کر۔ کہ لا تکتموا الشهادة سچ کہتے ہیں کہ جب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کا خط لے کر مرزا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرزا ایک ایک فقرہ سنتے جاتے تھے اور بڑے غصہ سے بدن پر رعشہ تھا اور دہان مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے اور حضار مجلس مریدان بھی ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ حضرت واقعی ان (مولوی) لوگوں کو تہذیب اور تمیز نہیں۔ چند الفاظ جو مرزا نے علماء کی نسبت عموماً اور مولانا ثناء اللہ صاحب کی نسبت خصوصاً فرمائے تھے یہ ہیں۔

''خبیث' سور' کتا' بدذات' گوں خوار ہے' ہم اس کو کبھی نہ بولنے دیں گے' گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔ لعنت لے ہی جائے گا۔ اس کو کہو کہ لعنت لے کر یہ قادیان سے چلا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔'' سننے میں اور اس وقت کی حالت دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ہم حلفیہ بطور شہادت کہتے ہیں کہ ایسی گالیاں ہم نے مرزا کی زبان سے سنی ہیں جو کسی چوہڑے چمار سے بھی کبھی نہیں سنیں۔

راقمان: حکیم محمد صدیق ساکن ضلع جالندھر' بستی دانش منداں محمد ابراہیم امرتسر' کٹڑہ' سفید۔)

آخر اس خفگی میں مرزا نے رقعہ کا جواب بھی نہ دیا اور اپنے مصاحبوں کو حکم دے دیا کہ لکھ دو۔ چنانچہ وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولوی ثناء اللہ صاحب! آپ کا رقعہ حضرت اقدس' امام الزماں' مسیح موعود' مہدی معبود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا۔ چونکہ مضامین اس کے عناد اور تعصب آمیز

تھے جو طلب حق سے بعد المشر قین کی دوری اس سے صاف ظاہر ہوتی تھی۔ لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے اور حضرت انجام آتھم میں اور نیز اپنے خط مرقومہ جواب سامی میں قسم کھا چکے اور اللہ عالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے کوئی تقریر نہ کریں گے۔ خلاف معاہدہ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیوں کر کسی فعل کا ارتکاب کرسکتا ہے۔ طالب حق کے لئے جو طریق حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ کافی نہیں۔ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے وہ ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ جلسہ محدود ہو۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں تا کہ حق و باطل سب پر واضح ہو جائے۔ (والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ 11 جنوری 1903ء)

گواہ شدہ محمد سردار ابوسعید عفی عنہ۔ خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزماں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ چونکہ میرا روئے سخن خود بدولت سے تھا اس لئے میرا حق تھا کہ میں کسی ماتحت کی تحریر نہ لیتا۔ مگر اس خیال سے کہ پبلک کو مرزا جی کے فرار کا نشان بتلایا جائے میں نے رقعہ مرقومہ قبول کرلیا۔

ان حضرات مرسلین رقعہ و گواہان پر افسوس نہیں بلکہ افسوس ان لوگوں پر ہے جو ایسے لوگوں کو دراز ریش دیکھ کر عالم یا مولوی سمجھ لیتے ہیں جن کو یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ اور تحقیق ایک ہی چیز ہے۔ اور صفحہ 23 اعجاز احمدی پر مجھ کو تحقیق کیلئے بلا رہے ہیں۔ پس تحقیق حق کے لئے بلا کر مناظرہ سے انکار کرنا صریح انکار بعد از اقرار کا مصداق ہے اور موقع پر الہام کی۔ مرزا جی! اقرار کے بعد انکار معتبر نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو'اعجاز احمدی' ص:30)

یہ واقعہ موجودہ حالات میں جیسا کچھ بھی معلوم ہوتا ہو مگر اس وقت بڑے دور رس اثرات ونتائج کا حامل ہوا۔ مرزا پہلے تو اپنے عربی قصیدے کو معجزہ قرار دے کر دندناتے پھر رہے تھے پھر فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پیشین گوئی کر کے بڑے ولولے اور ہمہمے کے ساتھ اپنے قصر نبوت کی تعمیر بھی کرنے لگے تھے۔ اور اپنی ان واہی تباہی ڈینگوں سے اینٹ اور گارے کا کام لے رہے تھے۔ سارے ملک کی نگاہیں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پر لگی ہوئی تھیں۔ مولانا کے قادیان پہنچ جانے سے مرزا کے سارے اینٹ گارے بکھر گئے

اوران کا عالی شان' خودساختہ قصر نبوت بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے کہ مرزا ان معاملات کو منظر عام پر لانے سے روک نہیں سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خرافات نے ارتداد کے لئے جو فضا ہموار کر رکھی تھی وہ یکسر بدل گئی اور خود ان کے مریدوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ چنانچہ جن کی طبیعتوں میں سلامتی تھی وہ قادیانیت سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس مضمون کا ایک خط الہامات مرزا طبع سوم کے آخری صفحہ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مسلسل ضربیں

(1903ء تا 1907ء)

اسی سال (1903ء) کے ماہ نومبر میں مولانا نے ہفت روزہ اہلحدیث کا اجرا فرمایا جو مرزا اور ان کی امت کیلئے بلائے بے درماں ثابت ہوا۔ کیونکہ اس ہفتہ روزہ کا ایک ایک حصہ جہاں آریوں' عیسائیوں اور دیگر دشمنان اسلام کے حملوں کے دفاع کیلئے مخصوص تھا' وہیں اس کا ایک حصہ قادیانیت کی تردید کیلئے بھی وقف تھا۔ ہفتہ بھر میں جو کچھ قادیانیوں کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا اس کی قلعی کھولی جاتی۔ اس سلسلے میں اہل اسلام کو زبردست فائدہ پہنچا۔ خصوصاً 1904ء کے طاعون کے سلسلہ میں مرزا قادیانی اور ان کی امت تمام پھندے اس طرح چاک ہوئے کہ وہ اپنی ساری تگ و دو اور حرفت بازیوں کے باوجود کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس طرح ہر ہفتہ کی مسلسل ضربوں نے مرزا کا قافیہ اس حد تک تنگ کیا کہ ہفت روزہ کے اجرا کے صرف 3 سال 5 ماہ بعد وہ اپنا اور فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ لے کر اللہ کی عدالت میں جا پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی استغاثہ کے ساڑھے تیرہ ماہ بعد ایسا فیصلہ کیا جسے اہل اسلام اور قادیانیوں کی جنگ کی تاریخ کا ''یوم الفرقان'' کہنا صحیح ہوگا۔ اس کی روداد اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

آسمانی فیصلہ

اور

قادیانی نبوت کے تابوت میں آخری کیل

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابوالوفا
ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

پچھلے صفحات میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قادیانیت کے خلاف فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ سرگرمیوں' عالمانہ گرفتوں اور فاضلانہ مواخذات کے مقابلے میں جب مرزا قادیانی اور ان کی پوری امت عاجز آ گئی اور فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا کی ہیبت سے قادیانی ایوان میں زلزلے برپا رہنے لگے تو مرزا قادیانی نے 15 اپریل 1907ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس نے رہتی دنیا تک کے لئے مرزا قادیانی کے صدق و کذب کا دوٹوک اور حتمی فیصلہ کر دیا۔ وہ اشتہار بتمام وکمال یہ ہے۔

مولانا ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم یستنبؤنک احق هو قل ای و ربی انه الحق

بخدمت مولوی ثناءاللہ صاحب۔ السلام علی من اتبع الهدی ۔ مدت سے آپ کے پرچہ اہلحدیث میں میری تکذیب و تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ آپ مجھے اپنے اس پرچہ میں مردود' کذاب' دجال' مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ حق پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف کرنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں پر تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں' جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے

ہیں' تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے' تاکہ خدا کے بندوں کو ہلاک نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ آپ سنت اللہ کے موافق مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے' جیسے طاعون و ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں یہ کسی الہام یا وحی کی پیش گوئی نہیں' بلکہ محض دعا کے طور پر ہیں' میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے' جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے آمین! مگر اے میرے کامل و صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے' حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر' مگر نہ انسانی ہاتھوں سے' بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے' بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔ جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین۔ میں ان کے ہاتھوں بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی سے حد سے گزر گئی' وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت **لا تقف ما لیس لک بہ علم** پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر

صبر کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ ان ہی تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتے ہے۔ اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا! اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیرے جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے' اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو' مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک! تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین ۔ آمین بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

الراقم عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاللہ وایدہ مرقوم یکم ربیع الاول 1325ھ 15 اپریل 1907ء (تاریخ مرزا از شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ' ص: 67' مجموعہ اشتہارات' جلد نمبر 3' ص: 578' مطبوعہ ربوہ)

یہ اشتہار اپنا مضمون بتلانے میں کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہیں۔ اس اشتہار کے بعد 25 اپریل 1907ء کو قادیانی اخبار بدر میں مرزا کا ایک اور بیان شائع ہوا جو یہ تھا۔

"زمانہ کے عجائبات ہیں' رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا! اجیب دعوۃ الداع ۔ صوفیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔" (بدر' ج: 6 نمبر' 17' ص 7 مندرجہ ملفوظات مرزا' ص: 208' ج 5' مطبوعہ' ربوہ جدید بدون تاریخ)

خلاصہ یہ کہ مرزا نے اشتہار بالا میں دعا کی تھی کہ مرزا جی اور مولانا ثناء اللہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔ یہ دعا اللہ کی تحریک پر کی گئی تھی اور اس کی مقبولیت

کا مرزا کو الہام بھی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ اس اشتہار کی اشاعت کے تیرہ مہینے اور بارہ دن بعد 26 مئی 1908ء بمطابق 24 ربیع الاخر 1326ھ کو مرزا اس اشتہار میں نامزد کردہ ایک بیماری ہیضہ سے انتقال کر گئے اور فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مرزا کے انتقال کے بعد مسلسل چالیس برس تک پوری تاب و توانائی کے ساتھ حق کا پھریرا لہراتے اور باطل کا علم سرنگوں کرتے ہوئے زندہ رہے۔ اس طرح مرزا کی اپنی دعا و طلب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ دوٹوک فیصلہ ہو گیا کہ مرزا برسر باطل اور کذاب و دجال تھا اور فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ برسرحق اور صادق۔ اس سلسلے میں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر
کذب میں سچا تھا پہلے مر گیا

ایک صاحب نے فارسی میں ارشاد فرمایا ہے۔

گفت مرزا مر ثناء اللہ را
میرد اول ہر کہ ملعون خدا است
خود روانہ شد بسوئے نیستی
بود خود ملعون' لیکن گفت راست

آیئے! مرزا کی موت کی تفصیلات بھی قادیانی مآخذ کی زبانی سنتے چلیں۔ مرزا کہا کرتے تھے کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ "انی احافظ کل من فی الدار" (تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا' ص 425' 434' 486' 617' 620' 671' 731' 754' 427' 428' 433' 489' 453) یعنی اے مرزا! تیرے گھر کے ہر فرد کی میں (اللہ) حفاظت کروں گا) اس خدائی الہام کے باوجود اپریل یا مئی 1908ء میں مرزا کو اپنے اہل و عیال سمیت بیماری کے سبب قادیان (دارالامان و دارالسنۃ) چھوڑ کر تبدیلی آب و ہوا کے لئے لاہور جانا پڑا۔ مگر جب لاہور وارد ہوئے تو زندہ نہ پلٹ سکے۔ ان کی موت کیوں کر واقع ہوئی۔ اس کی جو تفصیلات قادیانی اخبار الحکم 28 مئی 1908ء کے ضمیمہ میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"25 مئی 1908ء کی شام کو مرزا پر ان کی قدیم بیماری اسہال کا دورہ ہوا۔ گیارہ بجے

کے درمیان ایک اور زبردست دست آنے پر نبض بالکل بند ہو گئی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے حالت معمول پر لانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن مرزا مسلسل گیارہ گھنٹے تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر 26 مئی کو...... بجے فوت ہو گئے۔"

تقریباً یہی بیان مرزا کی اہلیہ محترمہ کا ہے۔ ان سے ان کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں:

"پہلے ایک پاخانہ آیا اور اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانے جا نہ سکتے تھے۔ اس لئے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی مگر ضعف بہت ہو گیا اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک اور قے آئی' جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔

(سیرۃ المہدی'ص:11'ج:1)

گویا یضربون وجوھھم وادبارھم کا نقشہ تھا۔

مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے آرگن پیغام صلح نے 3 مارچ 1939ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ:

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا کی موت کے وقت ان کے منہ سے پاخانہ نکل رہا تھا"

موت کے بعد مرزا کو جس مرحلے سے گذرنا پڑا وہ بھی کچھ کم عبرت انگیز نہ تھا۔ مرزا کا مدفن تو قادیان میں ان کا بنوایا ہوا "بہشتی مقبرہ" تھا لیکن چونکہ ان کی موت انبیاء ومرسلین کے سنت کے برخلاف مدفن قادیان سے کوئی ستر میل دور احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ہوئی تھی اس لیے انہیں بذریعہ ٹرین لاہور سے قادیان لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب مرزا کا جنازہ لاہور ریلوے اسٹیشن لے جانے کے لیے احمدیہ بلڈنگ سے باہر نکلا تو زندہ دلان لاہور نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا یعنی راستے بھر مرزا کے جنازے پر اس قدر غلاظتیں اور پاخانے پھینکے گئے کہ ان کی لاش بدقت تمام اسٹیشن تک پہنچ سکی۔ (دیکھئے: الاعتصام 14 جون 1968ء بحوالہ اہلحدیث 18 اکتوبر 1940ء)

فیصلے کا یہ نتیجہ تو مرزا کے تمام موافقین ومخالفین نے دیکھا مگر خود مرزا کو بھی ان کی عین

حیات سامان عبرت فراہم کرنے میں قدرت نے کسی بخل سے کام نہ لیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ 4 جون 1899ء کو جب مرزا کو چوتھا لڑکا مبارک احمد پیدا ہوا تو مرزا نے اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ اعلان کیا کہ یہ وہ مصلح موعود ہے جس کی پیدائش اور آمد کی بابت میں نے 20 فروری 1886ء والے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی۔ مرزا کو اس لڑکے پر اس پیشین گوئی کے چسپاں ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے اس کا نکاح صرف آٹھ سال کی عمر میں بحالت نابالغ ہی ستمبر 1907ء میں کر دیا تھا لیکن ابھی اس کی تقریب نکاح کی مسرت وشادمانی سے مرزا سرمست ہی تھے کہ اس لڑکے کی روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت آ پہنچا۔ مسیح قادیان نے اس کی جان بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ ان کی تدبیروں اور بے قرارانہ دعاؤں کی جو کیفیت تھی، اس کا نقشہ شاعر نے کیا خوب کھینچا ہے، کہتا ہے

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں

سربسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے

لیکن آسمانی فیصلہ کے سامنے مرزا کی ایک نہ چلی۔ 16 ستمبر 1907ء کو یہ لڑکا مرزا کے تمام دعوؤں، پیشین گوئیوں، آرزوؤں، تمناؤں، دعاؤں اور التجاؤں کو ٹھکراتا اور پامال کرتا ہوا اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گیا۔

اس لڑکے کی موت نے مرزا جی ایسے بوڑھے باپ کو جس غم والم، کرب واذیت اور ذلت ورسوائی کی دوہری آفت سے دوچار کیا وہ مرزا جی کیلئے موت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لئے اس لڑکے کی موت مرزا جی کی دعا کے ان الفاظ کے عین مطابق تھی کہ......

''جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔''

مگر مرزا کے دل پر تو مہر لگ چکی تھی اس لیے انہیں اس واقعہ سے بھی عبرت نہ ہوئی۔ بالآخر اس تنبیہ کے بعد چند ماہ کی مزید مہلت گذار کر مرزا عذاب الٰہی کی گرفت میں اس طرح آئے کہ ان کی موت ان کے کذاب و دجال ہونے کی دائمی اور رحمانی علامت بن گئی۔

فجعلنا ھانکالا لما بین یدیھا وما خلفھا و موعظة للمتقین

مرزا کے برعکس فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری پر اس اشتہار کا اثر یہ رہا کہ وہ اس پورے عرصے میں آرام و آسائش اور سکون و عافیت سے رہے اور نہ صرف یہ کہ رد قادیانیت کے سلسلے میں آپ کا جوش و خروش پہلے سے فزوں تر ہو گیا تھا بلکہ اس اشتہار کے ڈیڑھ ماہ بعد آپ نے قادیانیت کی تردید کے سلسلے میں اپنے معرکتہ الآراء اور لاثانی جریدے ''مرقع قادیانی'' کا اجراء فرمایا جو مرزا قادیان کی موت کے بعد بھی تقریباً نصف سال تک جاری رہا۔

شیخ الاسلام فاتح قادیان کا بلند مقام

آسمانی فیصلہ کے تحت مرزا کی موت کا جو واقعہ پیش آیا اس میں عبرت و موعظت کے بہت سے پہلو ہیں لیکن ہم ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ایک بات لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہے متحدہ ہند (موجودہ ہندوستان و پاکستان و بنگلہ دیش) کے طول و عرض میں اہل اسلام کے ہر مکتب خیال کی چوٹی کی شخصیتیں، بڑے بڑے علماء و صلحاء اور خدا رسیدہ اتقیاء زہاد موجود تھے لیکن قدرت کی طرف سے اسلام و قادیانیت کی کشمکش میں حق و باطل کے درمیان دوٹوک اور دائمی فیصلہ کیلئے جس ہستی کا انتخاب عمل میں آیا وہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی ہستی تھی۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور رد قادیانیت کے سلسلے میں مولانا کا مرتبہ و مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت کی تمام برگزیدہ اور مقدس شخصیتوں سے بلند و بالا تھا اور جس طرح مرزا قادیانی اپنے وقت کا ''دجال اکبر'' تھا اسی طرح آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے حامی دین متین اور علمبردار اسلام تھے۔

مولانا کے حق میں قدرت کی اس خاموش شہادت پر موافق و مخالف دونوں نے صاد کیا ہے بلکہ خود مرزا جی بھی اپنی موت سے پہلے اس کی شہادت دے گئے ہیں۔ آپ 15 اپریل 1907ء والا اشتہار ایک بار پھر پڑھ جایئے کس طرح ایک ایک جملے سے بے بسی و بے چارگی ٹپک رہی ہے۔ کتنی حسرت اور بے کسی کے ساتھ مرزا قادیانی، فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امر

تسری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اپنے سلسلہ کے نابود ہونے اور اپنی بنیاد کے منہدم ہونے کا خطرہ اللہ کے دربار میں پیش کر کے فریاد کر رہے ہیں لیکن اس سے بھی صاف اور صریح الفاظ میں سننا ہو تو مرزا کی ''تتمہ حقیقۃ الوحی'' کا صفحہ؛ 30 کھولئے۔ مرزا نے صاف صاف لکھا ہے کہ ''مولوی ثناء اللہ صاحب آج کل ٹھٹھے اور ہنسی اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں۔''

موافقین کے بیانات دیکھنے ہوں تو سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری کے بیانات پڑھ جایئے جو مولانا کی ان مساعی اور آپ کے ان مراتب کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ قادیانی فرقے کے علاوہ ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور دانشور آپ کو ''فاتح قادیان'' کے لقب سے یاد کرتے تھے اور یہ آپ کا ایسا امتیازی وصف و لقب ہے جو پورے ہندوستان میں کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ خود فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنی سعی پیہم اور اس کے بعد اثرات کا علم و احساس تھا۔ غالباً اس لئے آپ نے لکھا ہے۔

''میرے ردئے سخن مرزا کے ساتھ اور بزرگان علماء کرام سے بعد شروع ہوا۔ مگر کیفیت میں اس سے بڑھ گیا تھا۔'' (تاریخ مرزا' ص:80)

''مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع (یعنی قادیانی حملے سے دفاع) کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے۔ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہونگے۔''

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

(ماخوذ از فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناءاللہ امرتسری' ص:91 تا 123)

قادیانیت کی تردید میں فاتح قادیان مولانا ثناءاللہ امرتسری کی تصانیف

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے قادیانیوں کے خلاف سب سے زیادہ مناظرے کئے اور سب سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ وہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

''میری تصانیف جو قادیان کے متعلق ہیں ان کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملال کا خطرہ ہے۔ اس لئے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ثبوت خود مرزا بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے 15 اپریل 1907ء کو شائع کی تھی۔ جس کا عنوان تھا ''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ۔'' اس کی شروع میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابل دید و شنید ہے۔ مرزا نے لکھا۔ ''مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ۔'' اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے۔ کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤں کے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

نوٹ: قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''ہم لوگ تیس سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''میں نے کہا غالباً آپ کی حسن ظن اور تواضع ہے۔ (بحوالہ حیات ثنائی از مولانا محمد داؤد راز دہلوی ص 182 'طبع 1978ء دہلی)

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کے خلاف جو کتب لکھیں اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مولانا عبدالمجید خادم سوہدری مرحوم نے ''سیرت ثنائی'' اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری مرحوم نے ''فتنہ قادیانیت اور شاء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ'' میں کتابوں کے ناموں میں فرق کے ساتھ ان کی تصانیف کی تعداد 36 لکھی ہے جبکہ عالمی مجلس

تحفظ ختم نبوت ملتان کے تحت شائع ہونے والے مجموعے ''احتساب قادیانیت'' کی جلد 8 اور جلد 9 میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی 34 کتب کو شائع کیا گیا ہے۔ اور مولانا اللہ وسایا صاحب کی تحقیق کے مطابق صحیح تعداد یہی ہے۔ مولانا عبدالمجید خادم رحمۃ اللہ علیہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری کی تصانیف کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''انداز تکلم کی طرح آپ کا طرز تحریر بھی بہت شیریں' نرم' جاذب' دلچسپ' اور مؤثر تھا۔ کیا مجال کہ کوئی لفظ پایہ ثقاہت سے گر جائے۔ اعدائے بدباطن کی ناپاک کتابوں کے جواب ایسی حلاوت' لینت اور خلق تہذیب سے لکھے کہ مخالف بھی عش عش کر اٹھے۔ چنانچہ رنگیلا رسول' ایسی دل آزار کتاب کا جواب ''مقدس رسول'' کے نام سے تحریر فرمایا اور اس انداز میں کہ دشمن بھی داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح پنڈت دیانند کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کے چودھویں باب کا جواب ''حق پرکاش'' کے نام سے لکھا اور اسلام کے روایتی اخلاق کو اجاگر کر کے ثابت کر دیا کہ دین محمد ﷺ زہر کا جواب شہد سے دیتا ہے اور بدخلقی کا جواب حسن خلق سے پیش کرتا ہے۔'' (سیرت ثنائی' ص:241)

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

''فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی اہم ترین خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں عبقریت اور ابتکار ہوتا تھا۔ گرفت اتنی ٹھوس اور برمحل ہوتی تھی کہ حریف خواہ کتنے ہی ہاتھ پاؤں مارے بچ نکلنے کی صورت نہ ہوتی تھی۔ مطلب بالکل واضح اور دوٹوک ہوتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بڑے سے بڑا اور دقیق سے دقیق مضمون صرف چند سطروں میں بیان کر دیتے تھے' اور وہ بھی اتنی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ کہ نہ بحث کا کوئی گوشہ تشنہ رہتا تھا نہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آتی تھیں۔ پھر قدم قدم پر ظریفانہ الفاظ یا جملے اور برمحل اشعار۔ تحریر کی لطافت اور شگفتگی کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ فریق مقابل خواہ کتنی ہی ونانت طبع اور پست ظرفی کا مظاہرہ کرتا آپ کی تحریر بہر صورت وقار و سنجیدگی کا مرقع ہوتی۔ ابتذال وسفلہ پن اور بیہودگی و ہمجیت کا کہیں نام ونشان نہ ہوتا۔

بدزبانیوں' ہرزاسرائیوں اور یاوہ گوئیوں کے جواب میں کوئی ایسا برمحل شعر نقل کر دیتے'

یا ایسا ظریفانہ جملہ استعمال کر دیتے کہ ساری زبان درازیاں فریق ثانی پر پٹ جاتیں‘ اور ان کے شرف و وقار پر آنچ بھی نہ آ پاتی اور پڑھنے والا پھڑک پھڑک اٹھتا۔ (فتنہ قادیانیت اور ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ‘ ص: 275)

بلا شبہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب نگارش میں دلکشی‘ تحریر میں اردو زبان و ادب کی چاشنی‘ اپنے موقف کی تائید میں دلائل کا زور‘ حریف پر گرفت مضبوط۔ بابائے تبلیغ مولانا عبداللہ گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ”مناظرہ ہو یا تحریری میدان“ شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب مخالف کے بارے کوئی ایسی بات نہ کرتے جو ان کی عزت و وقار کے منافی ہو۔ وہ اپنی عذوبت لسان اور حسن اخلاق سے ہی مخالف کو زیر کر لیتے تھے۔“

قادیانیت کے رد میں مولانا مرحوم کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔ (1) الہامات مرزا (2) ہفوات مرزا (3) صحیفہ محبوبیہ (4) فاتح قادیان (5) آفتہ اللہ (6) فتح ربانی در مباحثہ قادیانی (7) عقائد مرزا (8) مرقع قادیانی (9) چیستان مرزا (10) زار قادیان (11) فسخ نکاح مرزائیاں (12) نکاح مرزا (13) تاریخ مرزا (14) شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان (15) لیکھ رام اور مرزا (16) ثنائی پاکٹ بک (17) قادیانی مباحثہ دکن (18) شہادات مرزا (19) نکات مرزا (20) ہندوستان کے دو ریفارمر (21) محمد قادیانی (22) قادیانی حلف کی حقیقت (23) تعلیمات مرزا (24) فیصلہ مرزا (25) تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار (26) علم کلام مرزا (27) عجائبات مرزا (28) نا قابل مصنف مرزا (29) بہاء اللہ اور مرزا (30) اباطیل مرزا (31) مکالمہ احمدیہ (32) بطش قدیر بر قادیانی تفسیر کبیر (33) محمود‘ مصلح موعود‘ (34) تحفہ احمدیہ۔

قیام پاکستان کے بعد یہ تمام رسائل ہمارے بزرگ دوست مولانا عبدالجبار سلفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات 12 اپریل 2013ء سابق مدیر صحیفہ اہل حدیث کراچی نے اپنے اشاعتی ادارے مکتبہ ایوبیہ محمدی مسجد برنس روڈ کراچی کی طرف سے شائع کر دیئے تھے۔ اور یہ بڑی خدمت تھی جو انہوں نے سرانجام دی اس کے علاوہ انہوں نے مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کو بھی شائع کیا تھا۔

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر

1903ء میں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری مرحوم نے ہفت روزہ اہل حدیث جاری کیا اور یکم اگست 1947ء تک باقاعدگی سے ہر ہفتے امرتسر سے شائع ہوتا رہا۔ اس رسالے میں جہاں دیگر باطل مذاہب وشنام طرازیوں کو طشت از بام کیا جاتا تھا وہیں ''قادیانی مشن'' کے عنوان سے قادیانیت سے متعلق اہتمام سے مضامین لکھ کر اس مذہب کا پول کھولا جاتا تھا۔

ہفت روزہ اہل حدیث کے قادیانی مشن کو پڑھ کر کتنے ہی لوگوں نے اپنی اصلاح کی اور بہت سے قادیانی اسے پڑھ کر قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ اہل حدیث کے ہر شمارے میں قادیانیت سے متعلق نئے نئے انکشافات کئے جاتے تھے اور یہ رسالہ اپنے دامن میں ندرت کا پہلو لئے ہوئے تھا۔ قادیانی مشن پر فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا مرحوم کی ضرب اس قدر کاری تھی کہ اس کے اثر سے قادیان کے درودیوار لرزہ براندام تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے مذہبی جریدے ''ستارہ صبح'' میں لکھا تھا:

''ہمارے اس جریدے میں کسی دوسری جگہ فاضل معاصر اہلحدیث کا ایک دل آویز اقتباس ''قادیانی مشن'' کے عنوان سے درج ہے۔ جس میں مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب نے جن سے بڑھ کر قادیاں کے گھر کا بھیدی اور کوئی کم ہوگا۔ لنکا ڈھاتے ہوئے اپنی چابک دستی کا تازہ ترین کمال دکھایا ہے۔ مولانا بعض دفعہ ایسے پتے کی باتیں کہہ جاتے ہیں اور آپ کی تحریرات قادیانی ارسطوؤں' اصولیوں اور سائیوں کے لیے اس درجہ صبر آزما ہوتی ہیں کہ ان حضرات کی جان مبتلا ایک نئے مخمصہ میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اہل حدیث کا جب کوئی تازہ نمبر قادیان شریف میں پہنچتا ہے تو اس مقدس آسمان کے فرشتے ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں کہ یہ ثناء اللہ اخبار کا ایڈیٹر کا ہے کو ہے۔ اچھا خاصا پنساری ہے جو پسی ہوئی فلفل سرخ کی پڑیا ہر ہفتے ہمارے پاس بھیج دیتا ہے اور اس کے دام ہم سے مناظرہ اور مباہلہ کے بازار میں وصول کر لیتا ہے۔'' (بحوالہ فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ' ص: 280)

ماہنامہ مرقع قادیانی امرتسر

یہ رسالہ 15 اپریل 1907ء کو جاری کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد قادیانی مشن کا استیصال

تھا۔اس رسالے میں قادیانی خرافات کے جواب دلچسپ اسلوب میں دیئے جاتے تھے' جنہیں پڑھ کر خود مرزا غلام احمد قادیانی بھی پھڑک اٹھتے تھے۔ رسالے کے مضامین مولانا خود لکھتے تھے اور دوسرے اہل قلم کی تحریریں بھی جو کہ صرف مرزائیت کے رد میں ہوتیں تھیں شائع کی جاتیں تھیں اپنے موضوع پر یہ دلچسپ رسالہ تھا۔ جو مرزا کی موت کے بعد اکتوبر 1908ء تک جاری رہا۔ دوسری بار یہ 1931ء کے اپریل میں جاری ہوا اور اپریل 1933ء میں بند کر دیا گیا۔ قادیانیوں کے لیے یہ رسالہ زہر ہلاہل سے کچھ کم نہ تھا جس نے قادیانیوں کا ناک میں دم کیے رکھا' ان کتب ورسائل کے علاوہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ صاحب نے اپنی ''تفسیر ثنائی'' اور ''تفسیر بالرائے'' میں بھی جہاں دیگر باطل مذاہب اور فرقوں کا رد کیا ہے وہیں قادیانیت کی بھی موقع کی مناسبت سے پرزور مذمت کی اور رد کیا ہے۔

قادیانیوں سے مناظرے

مولانا ثناءاللہ امرتسری ذہین وفطین' حاظر جواب اور برجستہ گو مناظر تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ برصغیر میں ان جیسا عظیم مناظر پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں مرزائیوں' عیسائیوں' آریوں' بریلویوں' دیوبندیوں اور شیعوں سے ایک ہزار سے اوپر کامیاب مناظرے کیے۔ میدان مناظرہ میں وہ خوب چہکتے تھے اور مخالف کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ ان کے دلائل کی گرفت اس قدر مضبوط ہوتی کہ مخالف مناظر لمحوں میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا۔ انہوں نے سب سے زیادہ مناظرے اور بحثیں قادیانیوں کے خلاف کیں۔ اس میدان میں وہ اس قدر پرجوش اور سرگرم تھے کہ مرزا قادیانی کے چیلنج پر 1903ء میں قادیان پہنچ گئے اور مرزے کو زچ کر دیا تھا۔ اسی باعث مولانا کو قوم نے ''فاتح قادیان'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی مرحوم آپ کے مناظروں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(1) آپ فریق ثانی کی کبھی تحقیر یا تذلیل نہ کرتے بلکہ عزت اور کشادہ پیشانی آتے۔

(2) اعتراض یا جواب میں آپ کے الفاظ ہمیشہ مختصر ہوتے مگر پرمعنیٰ اور پر مغز ہوتے۔

(3) دقیق سے دقیق مضمون کو بھی عام فہم طریق پر بیان کرتے اور شعر واشعار سے اس میں رنگینی پیدا کرنے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

(4) حاضر جوابی تو گویا آپ پر ختم تھی' آپ جیسا حاضر جواب کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

(5) آپ پر کسی مناظرہ میں کبھی کوئی گھبراہٹ واقع نہیں ہوئی' بلکہ آپ مناظرہ نہایت طمانیت سے ہنس ہنس کر کیا کرتے تھے۔

(6) مناظرہ میں آپ کا انداز ہمیشہ عالمانہ رہا' آپ نے عامیانہ انداز کبھی اختیار نہیں فرمایا۔

(7) آپ فریق ثانی کو مبحث سے کبھی باہر نہ جانے دیتے اور گھیر گھار کر اصل مبحث پر لے آیا کرتے تھے اور یہ فن مناظرہ کا کمال تھا۔

(8) آپ مناظرہ میں اصول مناظرہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے اور دیگر علوم وفنون کی طرح مناظرہ بھی علم مناظرہ کے اصول پر کیا کرتے تھے۔

(9) شرائط مناظرہ میں آپ نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا اور بارہا فریق ثانی کی ناجائز سے ناجائز شرائط کو بھی قبول کر لیا کہ کہیں اس بہانہ سے وہ راہ فرار اختیار نہ کرے۔

(10) آپ نے میدان مناظرہ میں کبھی کوئی الزام یا جواب بلا حوالہ یا خلاف حوالہ پیش نہیں کیا' بلکہ جوبات کی ہمیشہ دلائل ہی سے کی۔

یہ ہیں وہ چند خصوصیات جو مولانا کے مناظرہ سے مخصوص تھیں اور آپ کے بعد قریباً وہ ختم ہو چکی ہیں۔ اس لیے جہاں آپ کو ''امام المناظرین'' کہا جاتا ہے' وہاں اگر آپ کو ''خاتم المناظرین'' بھی کہہ دیا جائے تو شائد نامناسب نہ ہو گا (سیرت ثنائی' ص:386)

مناظروں کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا یہ شعر پڑھیے۔ وہ کہتے ہیں ۔

خدا سمجھائے اس ظالم ثناء اللہ کو
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

(1) مناظرہ رام پور (جون 1909ء) مقابل مولوی احسن امروہوی اور مولوی قاسم علی قادیانی

(2) انعامی مباحثہ لدھیانہ (اپریل 1909ء) مقابل میر قاسم علی قادیانی

(3) مناظرہ امرتسر (اپریل 1909ء) مقابل مولوی غلام رسول راجیکی

(4) مباحثہ سرگودھا (دسمبر 1916ء)

(5) مناظرہ میرٹھ (مارچ 1917ء)

(6) مناظرہ ڈیرہ غازی خان (26 مئی 1917ء)

(7) مناظرہ ہوشیار پور (21 تا 23 اکتوبر 1917ء)

(8) مناظرہ گوجرانوالہ (19۔20 جنوری 1918ء)

(9) مناظرہ ہوشیار پور (2-3 فروری 1918ء)

(10) مناظرہ کرتار پور ضلع جالندھر (23 اپریل 1918ء)

(11) مناظرہ جھنگ (اکتوبر 1920ء)

(12) مناظرہ مالیر کوٹلہ (7 اپریل 1921ء)

(13) مناظرہ کپور تھلہ (17 اپریل 1921ء)

(14) مناظرہ فیروز پور (3 جون 1922ء)

(15) مناظرہ ننکانہ ضلع شیخوپورہ (30 جون 1922ء)

(16) مناظرہ گوجرانوالہ (5-6 نومبر 1922ء)

(17) مناظرہ لاہور موچی دروازہ (3 جون 1925ء)

(18) مناظرہ چک 99 شمالی سرگودھا (5 جنوری 1925ء)

(19) مناظرہ پٹھان کوٹ (24۔25 نومبر 1928ء)

(20) مناظرہ منٹگمری (ساہیوال) (20 اکتوبر 1929ء)

(21) مناظرہ موہنگ ضلع گجرات (11-12 اکتوبر 1930ء)

(22) مناظرہ بٹالہ ضلع گورداس پور (25 نومبر 1930ء)

(23) مناظرہ بٹالہ ضلع گورداس پور (20 فروری 1932ء)

(24) مناظرہ وزیر آباد (10 اپریل 1932ء)

(25) مناظرہ لاہور مغل پورہ گنج (17 جولائی 1932ء)

(26) مناظرہ جہلم (21۔22 اپریل 1933ء)

(27) مناظرہ لاہور (یکم جنوری 1934ء)

(28) مناظرہ بٹالہ ضلع گورداس پور (12-14 مارچ 1934ء)

(29) مناظرہ امرتسر (30 ستمبر 1934ء)

(30) مناظرہ میرٹھ (12 مارچ 1935ء)

(31) مناظرہ لائل پور (فیصل آباد) (نومبر 1941ء)

(قادیانیوں کے خلاف مولانا ثناء اللہ امرتسری کی مناظروں کی تفصیلات کے لیے دیکھیے؛ تذکرۃ المناظرین' از مقتدی احمد عمری' تذکرہ ابوالوفاء از عبدالرشید عراقی' فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری از مولانا صفی الرحمان مبارک پوری' اور سیرت ثنائی از مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ قادیانیوں کو کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ اس سلسلے میں گذارش ہے کہ مولانا کسی کی تکفیر کے معاملے میں بڑے محتاط رہتے تھے۔ لیکن قادیانیوں کے معاملے میں ان کے دوٹوک الفاظ مرقوم ہیں۔ ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ مرازئی گروہ عربی اسلام سے بالکل الگ ہے۔ ان کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرزا کے اقوال افعال کو سند مانتے ہیں بلکہ احادیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ حکم عدل تھے۔ ان کا فیصلہ ہر بات میں فیصل ہے۔ اس لیے ایسے گروہ کے ساتھ کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کے نہیں کرنا چاہیے" (اہلحدیث' 13 ستمبر 1940ء)

ایک اور موقع پر مولانا رقمطراز ہیں:

"قرآن شریف میں کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا ذکر بہت برے لفظوں میں آیا ہے۔ تحریف کلام میں ایسا برا فعل ہے کہ معمولی انسان کے کلام کو بدلنا گناہ کبیرہ ہے۔ کلام اللہ کی تحریف کرنا تو اکبر الکبائر بلکہ کفر ہے۔ مرزا کلاں (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی نے مدعی نبوت) نے اس بدرسم کی بنیاد رکھ کر اپنی ساری جماعت کو اس برے طریق پر چلنے کی گویا رہنمائی کی ہے۔" (اہلحدیث امرتسر' 13 نومبر 1942ء)

ایک دفعہ مفتی قادیاں نے ایک سوال کے جواب میں مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہوئے

ان کی دعاؤں کو وما دعاء الکافرین الا فی ضلال کا مصداق ٹھہرایا اور اس بنیاد پر قادیانی میت کے لیے مسلمانوں کی نماز جنازہ اور دعائے مغفرت کو لغو قرار دیا۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مفتی قادیان کا یہ فتویٰ نقل کر کے اس پر جوابی معارضہ قائم کرتے ہوئے لکھا:

"............وہ مسلمان جو مرزائیوں کے حق میں مسلم اور مومن وغیرہ کا لفظ بولا کرتے ہیں' یا ان کو ایک اسلامی فرقہ سمجھتے ہیں وہ اس قادیانی فتویٰ کو غور سے پڑھیں۔ یہ جو پوچھا گیا ہے کہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہ ماننے اس آیت کے ماتحت آسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں بلکہ ماننے سے آتے ہیں۔" (اہل حدیث امرتسر' 23 جون 1943ء)

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے تحریر کردہ ان بیانات کے بعد دو روایتیں اور ملاحظہ فرمائیں:

مولانا عبدالمجید خادم لکھتے ہیں...... "ایک جلسے میں مولانا نے مرزائیت کی تردید میں تقریر فرمائی' اور کہا:

"مرزا اور ان کی جماعت چونکہ عقائد باطلہ کی حامل ہے اور اصول اسلام سے منحرف ہے اس لیے وہ کافر ہے اور دین محمد ﷺ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" (سیرت ثنائی' ص: 211)

مولانا عبدالمجید صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ سب ہی علماء کرام نے مرزائے قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگا رکھا ہے مگر مولانا ثناء اللہ صاحب نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا' نہ اسے کافر کہا۔ مولانا عبدالغنی صاحب خانپوری کا بیان کہ میں یہی اعتراض ذہن میں لے کر مولانا ثناء اللہ صاحب کے پاس پہنچا اور اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ "بھئی! میں تو مرزا قادیانی کو کافر کہنا لفظ "کفر" کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ ایک ایسا جواب تھا کہ میں خاموش ہو گیا اور پھر کچھ کہہ نہ سکا۔" (سیرت ثنائی' ص: 169)

یہ ایک خاکہ ہے فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی اس تبلیغی مساعی کا جو انہوں نے فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی کے لیے انجام دی۔ ان جیسے عظیم المرتبت عالم دین صدیوں بعد ہی اس دنیا میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو

جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے اور ان کی حسنات کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

مولانا ثناءاللہ صاحب کی دیگر تصنیفات

علمائے احناف (بریلوی + دیوبندی) اور شیعہ حضرات سے بھی کبھی کبھار نوک جھونک ہو جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔ فقہ اور فقیہ' علم الفقہ' تنقید تقلید شخصی' معقولات حنفیہ' حدیث نبوی اور تقلید شخصی' اہل حدیث کا مذہب' آمین' رفع الیدین' فاتحہ خلف الامام' فتوحات اہل حدیث' شمع توحید اور نور توحید وغیرہ۔

ان کتب کے علاوہ مولانا مرحوم نے یہ کتابیں بھی لکھیں۔ خصائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم' اتباع رسول' خلافت رسالت' خلافت محمدیہ' حیات مسنونہ' کلمہ طیبہ' قرآنی قاعدہ ثنائیہ' السلام علیکم' ہدایت الزوجین' شریعت و طریقت' رسوم اسلامیہ' اسلام اور برٹش لاء' الفوز العظیم' ادب المفرد' التعریفات النحویہ' ثنائی پاکٹ بک اور اربعین ثنائیہ وغیرہ۔

صحافتی خدمات:

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ صحافی' مبصر' نقاد اور ایڈیٹر تھے۔ انہوں نے مختلف ادوار میں چار رسائل جاری کیے اور صحافتی دنیا میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

سب سے پہلے انہوں نے 13 نومبر 1903ء کو ہفت روزہ اہل حدیث جاری کیا' جو ہر جمعے کو باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا۔ مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں اسے دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ اس رسالے کے موضوع تھے' عیسائی مشن' آریہ مشن' قادیانی مشن' شیعہ مشن' بریلوی مشن' اور اس کے علاوہ مختلف مذاہب پر بحث ہوتی تھی اور ملکی و غیر ملکی اہم خبروں کو بھی ہلکا پھلکا تبصرہ کر کے شائع کیا جاتا تھا۔ رسالے کے بیشتر مضامین اور اداریہ مولانا خود لکھتے تھے جو اپنے موضوع پر بڑا جامع ہوتا۔

غرضیکہ رسالہ متنوع مضامین کا دلچسپ مجموعہ تھا۔ یکم اگست 1947ء کو اس کا آخری شمارہ شائع ہوا۔ اس لحاظ سے یہ رسالہ 44 سال مطلع صحافت پر نمودار رہا۔ اس عرصے میں ایک

بار گورنمنٹ نے اخبار اہل حدیث کی ضمانت طلب کی تو مولانا مرحوم نے اس کی جگہ ''مخزن ثنائی'' اور اس کے بعد ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے شمارے شائع کیے۔ مئی 1908ء میں انہوں نے ایک رسالہ ''مسلمان'' جاری کیا' جو کچھ عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔ جب کہ ایک رسالہ ''مرقع قادیانی'' نکالا۔ اس میں مرزائیت کے رد میں مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ مرزا قادیانی کی موت کے بعد 1908ء تک جاری رہا۔ مولانا مرحوم نے ثنائی اخبارات کس جذبے سے جاری کیے تھے اور انہوں نے ان کے ذریعے کس طرح کی خدمت سرانجام دی؟ اسے فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مرحوم کے الفاظ میں ہی سن لیجئے' وہ لکھتے ہیں:

''جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز مرہ بڑھتی نظر آئی اور تصنیف و تالیف کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار ''اہلحدیث'' جاری کیا گیا۔ جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی۔ ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ (اہل حدیث' 23 جنوری 1942ء)

یہ اخبار کیا ہے؟ مجمع البحرین ہے۔ یعنی دین و دنیا کا مجموعہ' جس میں ملکی' اخلاقی اور تاریخی مضامین کے علاوہ متفرق سوال و جواب' دینی فتاویٰ اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیے جاتے ہیں۔ غرضیکہ اخبار توحید و سنت کا حامی' شرک و بدعت کا دشمن' مخالفین کے سامنے ڈھال کا کام دینے والا اور دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بتانے والا ہے۔ (عام اشتہارات متعلقہ اخبار اہل حدیث بحوالہ فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری' ص:43)

فتاویٰ ثنائیہ:

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کو فقہ اور فقہی مسائل میں درک حاصل تھا۔ انہوں نے اپنے اخبار اہل حدیث میں فقہ و فتاویٰ کے لیے مستقل صفحات مختص کر رکھے تھے۔ ان کے چوالیس سالہ فتاویٰ کا انتخاب ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات دسمبر 1981ء) نے محنت شاقہ سے مرتب کر کے 2 جلدوں میں 1954ء میں پہلی بار شائع کیا تھا۔ فتاویٰ ثنائیہ میں انسانی زندگی میں پیش آمادہ مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مرحوم کا جواب مختصر اور جامع ہوتا تھا۔ وہ اختصار کے ساتھ مسئلے کی جزئیات بیان کر جاتے تھے۔ ان کے فتاویٰ پر مولانا شرف الدین

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1961ء) نے بڑے مفید حواشی سپرد قلم کیے ہیں۔ اس سے ان فتاویٰ کی اہمیت وافادیت اور بھی دوچند ہوگئی ہے۔

پاکستان میں فتاویٰ ثنائیہ کو پہلی بار 1976ء کے لگ بھگ شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ (وفات 30 مارچ 1987ء) نے اپنے اشاعتی ادارے ترجمان السنہ کی طرف سے شائع کیا تھا۔ ان کے بعد فتاویٰ کے اس مجموعہ کو ہمارے دوست مولانا اقبال صاحب نے مکتبہ ثنائیہ سرگودھا کی طرف سے شائع کیا تھا۔

شیخ الاسلام کی دیگر مناظرانہ سرگرمیاں

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ذہین و فطین، حاضر جواب اور برجستہ گو مناظر تھے، تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں ان جیسا مناظر پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مرزائیوں، عیسائیوں، آریوں، بریلویوں، حنفیوں اور شافعیوں سے ایک ہزار سے زیادہ کامیاب مناظرے کیے۔ آریہ کے خلاف ان کا مناظر دیوریا، مناظرہ نگینہ بجنور، مناظرہ جبل پور، مناظرہ گوشت خوری لاہور، مناظرہ ویلم مظفر نگر یوپی، مناظرہ خورجہ بلند شہر، مناظرہ حیدرآباد سندھ، مناظرہ دینانگر ضلع گورداس پور وغیرہ۔ عیسائیوں سے مناظرہ لاہور 1910ء مناظرہ ہوشیار پور 1916ء مناظرہ گوجرانوالہ 1926ء مناظرہ الٰہ آباد 1935ء وغیرہ۔

جبکہ شیعوں اور منکرین حدیث سے مناظرہ قادر آباد ضلع گجرات پنجاب اپریل 1941ء مناظرہ لاہور 1920ء میں مسئلہ وراثت اور باغ فدک، منصور پور ضلع ہوشیار پور میں 1924ء میں مناظرہ خلافت اصحاب ثلاثہ، ستمبر 1931ء میں مناظرہ بھڑی شاہ رحمان وزیر آباد پنجاب، امرتسر میں مولوی خیر محمد جالندھری حنفی سے مولوی عبدالصمد سے لاہور میں مولوی حشمت علی، مولانا کرم دین سے فاتحہ خلف الامام، حاضر و ناظر، علم الغیب اور تقلید شخصی پر کامیاب مناظرے ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی بیسیوں مناظرے احناف کے دیوبندی اور بریلوی علماء سے مختلف علاقوں میں ہوئے جن میں مولانا کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ مناظرے اور بحثیں قادیانیوں کے خلاف ہوئیں۔

اس میدان میں مولانا مرحوم اس قدر پرجوش اور سرگرم تھے کہ وہ مرزا قادیانی کے چیلنج

پر 1903ء میں قادیان پہنچ گئے اور مرزے کو زچ کر دیا تھا۔ اسی باعث مولانا کو قوم نے فاتح قادیان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مناظرے میں خوب چہکتے تھے اور مخالف کو آڑھے ہاتھوں لیتے تھے۔ ان کے دلائل کی گرفت اس قدر مضبوط ہوتی کہ مخالف مناظر لمحوں میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا۔

اردو زبان وادب کے نامور ادیب ومصنف اور مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں: ایک جگہ معروف نامور آریہ سماجی مناظر نے شروع ہی میں خم ٹھونک کر کہہ دیا کہ

''آپ مسلمان ہی کب ہیں' جو اسلام کی طرف سے وکیل بن کر آئے ہیں۔ دیکھئے مسلمان علماء کے فتوے یہ سب آپ کی تکفیر میں ہیں۔''

یہ کہا اور میز پر فتووں کا ڈھیر لگا دیا۔

مولانا صبر کے ساتھ اپنی تکفیر کا ڈھنڈورا سنتے رہے۔ جب وہ کہہ چکا تو کڑک کر بولے اچھا صاحب میں اب مسلمان ہوتا ہوں پڑھتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللہُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فرمایئے اب تو کوئی عذر باقی نہ رہا۔ مسلمان باغ باغ ہو گئے۔ آریہ مناظر سے جواب نہ بن پڑا اور مولانا نے اپنا کام چلتا کیا۔ (معاصرین' ص:152)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کی حاضر جوابی اور برجستہ گوئی کے چند واقعات نقل کر دیئے جائیں۔

مولانا عبدالمجید خادم سوہدری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ایک دفعہ کسی سکھ لیڈر نے آپ سے پوچھا: مولانا! بھیڑ اور سور کی شکل وشباہت تقریباً ایک جیسی ہے۔ پھر آپ بھیڑ کیوں کھاتے ہیں اور سور سے کیوں نفرت کرتے ہیں......؟

یہ سنتے ہی حضرت نے قہقہہ لگایا اور فرمایا سردار صاحب آپ نے سوال تو بڑا ٹیڑھا کیا ہے' مگر یہ تو کہیے کہ جب آپ بیوی میں اور بہن یا بہو بیٹی میں پوری مشابہت پاتے ہیں' تو پھر بیوی کو کیوں حلال سمجھتے ہیں؟ اور ماں بہن یا بہو بیٹی کو کیوں حرام جانتے ہیں؟ سنیئے اسلام نے ہمیں

بھیڑ کی حلت اور سور کی حرمت کا حکم دے دیا ہے۔ لیکن آپ کے مذہب میں یہ صراحت بھی نہیں کہ فلاں کو بیوی بناؤ اور فلاں کو نہ بناؤ۔ سکھ نے یہ جواب سنا تو عرق ندامت کو پونچھتا چل دیا۔ (سیرت ثنائی، ص:150)

ایک بار ایک عیسائی مناظر نے دوران مناظرہ یہ کہا کہ اگر تمہارے رسول محمد ﷺ اللہ کے اتنے ہی مقبول ومحبوب تھے تو اپنے لخت جگر حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید ہوتے دیکھ کر کیوں خدا سے سفارش نہ کی اور کیوں اسے بچا نہ لیا؟

مولانا مرحوم نے بڑی متانت سے فرمایا بھائی کہا تو تھا مگر اللہ میاں نے جواب دیا کہ میرے حبیب میں کیا کروں، میں تو خود اس فکر میں ہوں کہ ظالم عیسائیوں نے میرے اکلوتے بیٹے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ حسین رضی اللہ عنہ تو پھر بھی تیرا نواسہ ہے۔ یہ جواب سن کر عیسائی مناظر بہت شرمندہ ہوا اور اپنا سا منہ لے رہ گیا۔ مولانا مرحوم مزید فرمانے لگے پادری صاحب کچھ علم اور عقل کی باتیں کریں، یہ آپ کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔ (ایضاً، ص:159)

ایک بار لاہور میں آریہ مناظر نے بحث کرتے ہوئے طنزاً یہ بات کی کہ گوشت خوری سے شہوت بڑھتی ہے اور مسلمان چونکہ شہوت پرست ہیں، اس لیے گوشت کھاتے ہیں۔

مولانا نے اعتراض سن کر اس مناظر کو آڑے ہاتھوں لیا۔ فرمانے لگے پنڈت جی! کچھ سوچ سمجھ کر بولو، مسلمان شہوت پرست ہیں یا آپ......؟ گوشت خور شہوت پرست ہوتا ہے یا دال خور......؟ دیکھو شیر گوشت خور ہوتا ہے مگر اپنی مادہ کے پاس صرف ایک ہی بار جاتا ہے، لیکن چڑے چڑیا کو آپ نے دیکھا ہوگا دال خور ہیں، مگر کتنے شہوت ران ہیں۔ مرغ مرغی بھی گوشت خور نہیں۔ آپ کی طرح دال خور ہیں، مگر کتنے شہوت پرست ہیں۔ ابھی مولانا اس طرح کی کچھ مثالیں دینا چاہتے تھے کہ پنڈت جی نادم ہو کر بول اٹھے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ (سیرت ثنائی، ص:170)

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ مرحوم کی حاضر جوابی، برجستہ گوئی، مناظروں کی روداد اور قادیانیوں کے خلاف تفصیلات کو سیرت ثنائی اور فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری شیریں مقال اور خوش گفتار واعظ تھے۔ وہ دعوت وتبلیغ کے لئے برصغیر کے دور دراز علاقوں میں بھی جاتے تھے

اور اپنی مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی ارشاد فرماتے۔ اس کے علاوہ اپنی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن ارشاد فرماتے۔ دوران درس ان کے ہاتھ میں لمبی سی چھڑی ہوتی تھی' اگر کسی کو اونگھ آ جاتی تو وہ اس سے ہلکا سا کچوکا دیتے۔ ان کے دروس اور خطبات جمعہ میں غیر مسلم بھی شریک ہوتے تھے' وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے اور توجہ سے مولانا صاحب کے افکار عالیہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

انہیں کوئی بات پوچھنا ہوتی تو وہ بلا جھجھک درس یا خطبہ جمعہ کے بعد پوچھتے اور مولانا بڑی متانت خلوص اور توجہ سے ان کے سوالات کے جواب دیتے۔

قومی خدمات

مولانا ثناء اللہ مرحوم اونچے مقام و مرتبہ کے حامل عالم دین تھے۔ برصغیر کے مذہبی اور سیاسی حلقوں میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

1892ء میں کانپور کے اجلاس میں ندوۃ العلماء لکھنو کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی شامل تھی اور انہیں ندوہ کی کمیٹی میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کمیٹی کے یہ سب سے کم عمر رکن تھے۔

1919ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا' اس کے محرک اول بھی فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ سیاسی اعتبار سے آپ پہلے کانگرس اور پھر مسلم لیگ کے حامی رہے۔ 1919ء میں جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان دہلوی کی صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے صدر مجلس استقبالیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور انہوں نے اس موقع پر بڑا فصیح و بلیغ اور علمی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا تھا۔ (چالیس علماء اہل حدیث' ص:182)

جماعتی خدمات

مولانا مرحوم اس خطہ میں دین اسلام کے بہت بڑے داعی' اسلام کے ترجمان اور جماعت اہل حدیث کے حدی خوان تھے۔ انہوں نے جماعت اہل حدیث کی شیرازہ بندی اور تعمیر و ترقی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ 1906ء میں آرہ میں علمائے اہل حدیث کا ایک اجلاس منعقد ہوا

تھا' مولانا مرحوم بھی شریک مجلس تھے۔ اس موقع پر ہندوستان میں اہل حدیث کی جماعتی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور آخر کافی بحث وتمحیص کے بعد "آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس" کے نام سے سلفی حضرات کی تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا عبداللہ غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کو کانفرنس کا صدر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ تشکیل کانفرنس کے بعد حسب قرار داد مولانا ثناء اللہ' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں اس وفد نے ملک کے طول وعرض میں تبلیغی و تنظیمی دورے کیے۔ اہل حدیث احباب کو جماعتی تنظیم کی اہمیت سے آگاہ کیا اور اہل حدیث انجمنوں کے قیام کی تحریک دی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک میں اہل حدیث انجمنوں کا جال بچھ گیا۔

یہی انجمنیں اس وقت دینی سرگرمیوں کا اہم مرکز قرار پائیں۔ 1920ء میں انجمن اہل حدیث پنجاب کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے روح رواں بھی فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ انہیں اس انجمن کا ناظم اور مولانا عبدالقادر قصوری کو صدر منتخب کیا گیا تھا۔ پنجاب میں انجمن اہل حدیث نہایت فعال تھی اور تبلیغی میدان میں سرگرم عمل۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے زیر اہتمام ہر سال کل ہند پیمانے پر سہ روزہ اجلاس ہوا کرتے تھے۔ جسے اس وقت کی ملکی فضا میں تبلیغی حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ان کل ہند اجلاسوں کے علاوہ صوبائی' ضلعی' علاقائی اور مقامی جلسوں کی بھی ہماہمی رہتی تھی۔ نشر واشاعت کا کام بھی اچھے پیمانے پر ہو رہا تھا اور کانفرنس کے ماتحت مبلغین اور واعظین کی ایک ٹیم بھی تھی' جو دین اسلام کی سربلندی کے لئے گردش میں رہتی تھی۔

اس کانفرنس کی بدولت پورے ملک میں جماعت اہل حدیث ایک محور پر گردش کر رہی تھی اور تعمیر وترقی کی منازل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس میں مولانا مرحوم کی ذاتی لگن' محبت اور مسلک اہل حدیث سے بے پناہ لگاؤ خاص اثر رکھتا تھا۔ ان کا ہفت روزہ اہل حدیث جماعت کے ترجمان اور آرگن کا رول ادا کر رہا تھا۔

اکتوبر 1921ء میں مبارک مسجد متصل اسلامیہ کالج لاہور میں جماعت کا ایک نمائندہ اجلاس ہوا۔ اس میں مولانا مرحوم کو جماعت اہل حدیث کا "سردار" منتخب کیا گیا اور آپ آل انڈیا

اہل حدیث کانفرنس کی نظامت کے ساتھ ساتھ جماعت اہل حدیث کی سرداری کے منصب پر بھی تاحیات فائز رہے۔ (فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری' ص:46)

اخلاق و کردار

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جامع الصفات عالم دین تھے۔ وہ اس خطہ ارض میں دین اسلام کے بہت بڑے داعی' اسلام کے ترجمان اور جماعت اہل حدیث کے حدی خوان تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو بے پناہ اوصاف و کمالات سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ وہ شگفتہ تحریریں لکھتے' میٹھی زبان بولتے' چھوٹوں پر شفقت فرماتے' بڑوں کا ادب کرتے' ہم عصر علماء کی تکریم بجالاتے۔ انہوں نے جس طریقے سے اسلام کا دفاع کیا' جس ڈھنگ سے دین کی تبلیغ کی' اس میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ انہوں نے نہایت حوصلے اور اطمینان سے دوسرے کی بات سنی اور انتہائی سکون سے اپنی سنائی۔ وہ اپنی بات کرتے تھے' کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے۔

ان کے پیش نظر اسلام کی تبلیغ اور دین کی ترویج تھی۔ کسی کو برا کہنا اور سب وشتم پر اتر آنا ہرگز ان کا طریقہ نہ تھا۔ وہ قرآن کے اس ارشاد کو ہر موقع پر پیش نگاہ رکھتے تھے' جس میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

(وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ)
(الانعام؛ 108)

''جو لوگ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں' تم ان کے معبودوں کو گالیاں نہ دو' ورنہ وہ بھی حد سے تجاوز ہو کر بے سوچے سمجھے اللہ پر سب کریں گے۔''

بلاشبہ فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا طریق تبلیغ سب سے نرالا اور خالص حکیمانہ تھا۔ جس قدر ان کا علم وسیع تھا' اسی قدر ان کے ظرف میں بھی وسعت تھی۔ انہوں نے اپنی شگفتہ مزاجی' باغ و بہار اور مرنجا مرنج طبیعت' مہمان نوازی اور مثالی اخلاق و کردار سے ہزاروں اپنے اور غیر لوگوں کے دل موہ لیے اور انہیں اسلام کا صحیح معنوں میں گرویدہ بنا دیا۔ تاریخ کے تناظر میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں برصغیر پاک و ہند میں ان جیسا عالم دین دور

دور تک نظر نہیں آتا۔ وہ اہل حدیث عالم دین تھے۔ ان کی وسعت ظرفی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اسلام کے دفاع کے لیے احناف کی طرف سے بھی غیر مسلموں سے مناظرے کیے۔ ان کے اعلیٰ اخلاق کردار کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کے شہر امرتسر میں کسی جگہ سے کوئی صاحب ان سے مناظرہ کرنے آتے تو مناظرے کے بعد مجمع عام میں انہیں دعوت دیتے کہ وہ ان کے ہاں قیام کریں اور انہیں مہمان نوازی کا موقع دیں۔ مولانا کے اخلاق سے مسلمان متاثر ہوتے ہی تھے لیکن غیر مسلم بھی بے پناہ اثر لیتے تھے۔ آئندہ سطور میں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی اس طرح کی دینی مساعی کے چند واقعات حوالۂ قرطاس کیے جاتے ہیں۔ مولانا عبدالمجید خادم مرحوم نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے اخلاق حسنہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''ایک بار آپ کسی جلسہ میں شریک ہونے جا رہے تھے۔ ریل کے سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں بیٹھے تھے کہ ایک مسافر اپنی جگہ سے جو اٹھا تو اس کو اوپر کے پھٹے سے ایسی چوٹ آئی کہ چکرا کر گرا اور کراہنے لگا۔ حضرت مولانا اس کے پاس پہنچے۔ اس کو اٹھایا' بستر پر لٹا دیا۔ سر اور پاؤں دبائے' اس نے ہر چند منع کیا' مگر آپ نے فرمایا: سردار صاحب! اسلام نے محض مسلمانوں کی خدمت کا حکم نہیں دیا' بلکہ تمام بنی نوع انسان اور تمام مذاہب کے پیروں سے نیک سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس لیے میں نے جو سلوک آپ سے کیا ہے' یہ کوئی آپ پر احسان نہیں ہے' میرے فرائض میں داخل ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سایہ نہ اس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

ایک بار امرتسر کا ایک ہندو بیمار ہوا۔ مولانا اس کی عیادت کو گئے۔ اس کو تسلی تشفی دی۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ علاج کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تو آپ نے کچھ رقم اسے بھجوا دی اور

ایک عطار سے فرمایا اس لالہ کو جس دوا کی ضرورت ہو دے دیا کرو اور قیمت میرے حساب میں لکھ لیا کرو۔ اسی طرح آپ نے کئی دفعہ غیر مسلم بیوگان' یتامیٰ' طلبہ اور غرباء کی امداد فرمائی اور ثابت کر دیا کہ اسلام ہی عالم گیر مذہب ہے جو بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک سے رواداری چاہتا اور اچھے اخلاق و محبت کی تعلیم دیتا ہے''

1930ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ لاہور سے شائع ہونے والے اخبار ''سیاست'' کے مالک و مدیر سید حبیب جو فقہی مسلک کے اعتبار سے مولانا کے مخالف تھے اور وہ اپنے اخبار میں اکثر مولانا کے خلاف لکھتے تھے' ایک بار وہ بیمار ہوئے مولانا نے ان کی مزاج پرسی کی' کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے اور جاتے ہوئے چپکے سے نظر بچا کر ایک لفافہ سید حبیب کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ لیکن سید صاحب کو اس کا پتہ چل گیا انہوں نے واپس کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مولانا نے ان کے لیے دعا کی' انہیں تسلی دی اور اصرار کیا کہ وہ لفافہ رکھ لیں۔ سید حبیب نے لفافہ کھولا تو اس میں سو روپے کے نوٹ تھے۔ اور سو روپے کی رقم اس دور میں بہت بڑی رقم تھی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اپنی کتاب ''بزم ارجمنداں'' میں شیخ الاسلام کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا کا طریق تبلیغ سب سے بڑا نرالہ اور خالص حکیمانہ تھا۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں امرتسر میں کوئی اجتماع تھا' جس میں بہت سے علماء و زعماء تشریف لا رہے تھے۔ وہ میزبان کی حیثیت سے ان کا استقبال کر رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی تشریف لائے تھے۔ مولانا ثناءاللہ مصافحے کے لیے ان کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ ان کا پاجامہ ٹخنوں سے ذرا نیچے ہے' مصافحہ کرتے ہوئے ان کے ٹخنے کو ہاتھ لگا کر فرمایا:

''آپ کے پاجامے کا یہ حصہ جو آپ کے جوتے کو مس کر چکا ہے' بڑا متبرک ہے' یہ مجھے عنایت کر دیا جائے تو میں اس سے اپنی ٹوپی بنالوں۔

مولانا ظفر علی خاں سمجھ گئے اور معذرت کرتے ہوئے پاجامہ ٹخنوں سے اونچا کر لیا۔''

بلاشبہ مولانا ثناءاللہ مرحوم اونچے مقام و مرتبے کے حامل عالم دین تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے مخلص اور اسلام کے سچے داعی اور مبلغین کی مساعی سے ہی اسلام کی نشر و ترویج ہوئی اور لوگ توحید و سنت سے آشنا ہوئے۔ عصر حاضر کے مبلغین اسلام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اخلاق و

کردار کو اسلامی تعلیم سے ہم آہنگ کریں اسی میں ان کی بھلائی اور عظمت کا راز پنہاں ہے۔

مسٹر عبدالغفور المعروف غازی محمود دھرم پال جو 1903ء میں آریہ سماج میں چلے گئے تھے اور 1913ء کے لگ بھگ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: 1930ء) کے ان جوابات کو پڑھ کر جوانہوں نے غازی صاحب کے سوالات پر ان کو دیے تھے' دوبارہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ وہ اس وقت کے اپنے اخبار ''اندر'' کی دسمبر 1912ء کی اشاعت کے صفحہ 92 پر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے حسن اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میری گذشتہ ایک سال کی بے ایذا زندگی نے میرے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں بھی میرے لیے اس قدر محبت پیدا کر دی ہے کہ جب ان کو میری بیماری کا حال معلوم ہو تو وہ جوق در جوق میرے پاس آنے لگے۔ ان میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام خاص کر قابل ذکر ہے۔

''مولانا صاحب کے ساتھ تحریری دست پنجہ تو سالہا سال تک ہوتا رہا' مگر رو در رو ہونے کا غالباً یہ پہلا ہی موقع تھا۔ جس کو ایک مبارک موقع ہی سمجھنا چاہیے۔ خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہی نمودار ہوا ہو۔ مولوی صاحب فطرتاً خوش مذاق احباب میں سے ہیں۔ اس لیے سمجھ لینا چاہیے۔ کہ جہاں ایک طرف ''ترک اسلام'' اور ''تہذیب اسلام'' بلکہ ''نخل اسلام'' کا مصنف بستر مرض پر پڑا ہو دوسری طرف' تُرک اسلام'' اور ''تغلیب اسلام'' بلکہ ''تبرا اسلام'' کا مصنف اس کے سرہانے بیٹھا' اس کی تیمارداری کر رہا ہو' وہاں ملکوت السموات والارض بھی مستی سے یہ شعر پڑھ رہے ہوں۔ کہ

شکر ایزد کہ میان من واد صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس سے پیشتر میرا یہ خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ جو احمد یہ فرقے کے ساتھ ملانوں جیسی فضول چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے' وہ ضرور کوئی ''کٹھ ملاں'' ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود ان کے کوشش کرنے کے میں کبھی ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن پہلی ہی ملاقات میں مجھے معلوم ہوا کہ مولوی ثناء اللہ ایک خوش مزاج خوش مذاق' خوبصورت اور خوب سیرت جینٹلمین ہے اور قدرت نے اس کو ایک دل ربا ادا دی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ابن یعقوب کو دیکھ

کر مجھے اپنے دل کو تھامنے میں بڑی دقت پیش آئی' وہ ہر تیسرے روز امرتسر سے میری خبر لینے کے لیے لاہور پہنچتے تھے۔"

مولانا عبداللہ گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ وفات 7 مئی 2012ء بیان کرتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو سیرت و کردار کی نعمت کا حفظ وافر عطا فرمایا تھا وہ اپنے حسن اخلاق سے دوسرے کا دل جیت لیتے تھے۔ جس طرح ان کا ظاہر خوبصورت تھا' اسی طرح ان کے باطن میں بھی خوبصورتی تھی۔ مولانا عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک بار مولانا کے ہمراہ شورکوٹ گئے۔ اسٹیشن پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کا جم غفیر تھا جو مولانا کے استقبال کو آیا ہوا تھا۔ سکھوں کا ایک بہت بڑا لیڈر سردار آگے بڑھا اور محبت و عقیدت سے مولانا کی خدمت میں آداب بجالایا اور ساتھ ہی کہنے لگا یہ مسلمانوں کا درشنی مولوی ہے۔

مولانا عبداللہ گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہل حدیث کے بزرگ عالم دین تھے انہیں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ گیارہ سال میل ملاقات کی سعادت حاصل رہی مولانا عبداللہ صاحب جماعت اہل حدیث کی چلتی پھرتی تاریخ ہیں۔ وہ اپنے وعظ و تقریر میں اور گفتگو میں اکثر مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ کے واقعات بڑی محبت و عقیدت سے سنایا کرتے ہیں۔ بابائے تبلیغ مولانا عبداللہ گورداس پوری شیخ الاسلام فاتح قادیان کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"متحدہ پنجاب کی جماعت اہل حدیث کے امیر حضرت مولانا سید محمد شریف گھڑیالوی ایک ولی اللہ اور خدارسیدہ شخصیت تھی۔ ان کو بہت دیکھا' بہت نمازیں ان کی اقتداء میں پڑھیں۔ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی۔

(باوجود اس کے کہ حضرت امرتسری مرحوم ان کی امارت کے قائل نہیں تھے) آخری عمر میں فالج کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ کافی دیر تک بیمار رہے لیکن حضرت مولانا شیخ الاسلام "تین دفعہ انتہائی مصروفیات کے باوجود ان کی بیماری پرسی کے لیے گھڑیال تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ میں اور ایک بار حضرت عبدالحق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم اور ایک دفعہ حافظ رکن الدین ناظم دفتر اہل حدیث ہمراہ گئے۔ خوراک' ادویات کے علاوہ ہر دفعہ ایک سو روپے نقد ان کی خدمت کر کے

آتے رہے۔ ان کے بڑے صاحبزادے حافظ الحدیث حضرت مولانا سید محمد یحییٰ شاہ صاحب گھڑیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر عید پر نئی سلکی مسدی مع کلہ اور کپڑوں کا جوڑا بھیجتے تھے۔ وہ بڑے خوبصورت اور خوش لباس تھے۔ اللہ جنت میں بھی اعلیٰ جوڑے پہنائے۔ آمین۔

میرے سینے میں بڑے واقعات ہیں کیونکہ مجھے گیارہ سالہ انتہائی قرب نصیب ہوا۔ میں ان سے اکثر حالات پر گفتگو کرتا رہتا۔ آپ کی رفاقت کی وجہ سے تمام مکاتب فکر سے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھنے اور ملنے کا موقعہ ملا۔ طوالت کی وجہ سے بچتا ہوا صرف ایک دو واقعات عرض کر کے بات ختم کرتا ہوں۔

گوجرانوالہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب دیوبندی حضرات کے جید علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اور وہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام کے ہم سبق بھی رہے تھے۔ اور وہ اخبار ''عدل'' بھی نکالتے تھے۔ اکثر مولانا سے نوک جھونک رہتی تھی۔ اس دور میں وہ دیوبندی حضرات کے مسلمہ مناظر تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا سے کئی ایک مناظرے بھی کیے۔ اور شکست فاش سے شرف یاب ہوئے۔

1924ء میں چک پنڈی نزد لالہ موسیٰ مولانا عبدالخالق جامعی کے گاؤں میں سواد اعظم کے موضع پر حضرت مولانا امرتسری سے ان کا ایک مناظرہ بہت مشہور ہوا تھا۔ مناظرہ میں ان کے معاون مولانا کرم دین جہلمی' مولانا قاضی گوجر خاں کے والد تھے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے معاون مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ جمعہ کے خطبہ اور درس قرآن میں اکثر اہلحدیث کو کوستے رہتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ تشریف لائے تو مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا نور حسین گرجاکھی کو ساتھ لے کر مولانا امرتسری' مولانا عبدالعزیز صاحب کی عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے جب اپنے سامنے حضرت مولانا امرتسری صاحب کو کھڑا دیکھا تو عبدالعزیز صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے۔ حضرت نے شفا کی دعا کی اور تسلی دی۔ واپسی پر اس کے تکیہ کے نیچے دس روپے کا نوٹ رکھ آئے۔ ان دنوں دس روپے کی رقم بڑی رقم کی حیثیت رکھتی تھی۔ واپس آ گئے رات کو مولانا عبدالعزیز صاحب کا بستر بدلہ تو تکیہ کے نیچے دس روپے کا نوٹ برآمد ہوا۔ اس کو پتہ چلا کہ

یہ مولانا ثناء اللہ صاحب رکھ گئے ہیں۔ اتنا متاثر ہوا کہ وہ مولانا کی مخالفت چھوڑ گیا۔ وہ تندرست ہو گیا۔ مولانا پھر کسی وقت گوجرانوالہ تشریف لے گئے تو مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ صاحب سے پوچھا مولوی عبدالعزیز صاحب کا کیا حال ہے۔ مولانا فرمانے لگے اب تندرست اور ٹھیک ہے۔ لیکن مخالفت نہیں کرتا۔ مولانا ہنس کر فرمانے لگے دس روپے کے نوٹ نے کافی کام کیا۔

غالباً 1928ء کی بات ہے حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے گھر پہلا بچہ سید ابوذر عطاء المنعم بخاری مرحوم پیدا ہوئے تو حضرت بخاری صاحب ان دنوں امرتسر کے گلو پڑی دروازہ کے اندرون ایک مسجد کے خطیب تھے۔ بخاری صاحب دفتر اہل حدیث میں تشریف لائے۔ جھولی بتاشوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ جو انہوں نے شیخ الاسلام کے سامنے پڑے ہوئے ڈیسک پر ڈھیر کر دیئے۔ حضرت مولانا نے فرمایا پیر جی یہ کیا ہے۔ فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں پوترا عطا کیا ہے۔ حضرت بخاری صاحب مولانا کا بہت احترام کرتے تھے۔ (شیخ الاسلام کے اکلوتے بیٹے کا نام بھی عطاء اللہ تھا۔ جو کہ فسادات امرتسر میں بوقت تقسیم پاک و ہند شہید ہو گیا۔ اس کی وجہ سے بخاری صاحب حضرت مولانا کو عقیدتاً اور احتراماً ابا جان بھی کہتے تھے۔ مولانا بڑی شفقت اور پیار سے پیش آتے تھے۔)

یہ خوشی کی شرینی ہے بخاری صاحب نے فرمایا۔ احباب میں تقسیم کر دو۔ حضرت مولانا مرحوم نے وہ بتاشے احباب میں تقسیم کر دیئے۔ ہدیہ تبریک اور دعا کے علاوہ دس روپے بھی بخاری صاحب کی نذر کیے۔ اور فرمایا یہ ہماری بہو کو گھی اور بادام لے کر کھلا دینا۔ (ایک روپے کی چھ سیر چینی اور چودہ آنے سیر گھی تھا) مولانا کے دفتر میں ایک چیتے کی کھال پڑی ہوئی تھی۔ جو ان کے ایک دوست نے رنگون سے بھیجی ہوئی تھی۔ وہ ایک کونے میں پڑی ہوئی بخاری صاحب نے دیکھ لی۔ حضرت بخاری صاحب فرمانے لگے میں نے روپے نہیں لینے اور کچھ لینا ہے۔ مولانا فرمانے لگے روپے بھی لو اور فرماؤ کیا کچھ خواہش ہے؟ بخاری صاحب نے فرمایا وہ جو چیتے کی کھال پڑی ہوئی ہے۔ وہ مجھے دے دو۔ تاکہ اس پر میرا بچہ لیٹ کر پلے اور شیر بنے۔ حضرت مولانا امرتسری مرحوم نے حافظ رکن دین صاحب کو فرمایا وہ کھال بھی شاہ صاحب کو دے دو۔ بخاری صاحب نے کھال بغل میں دبا لی اور روپے بھی جیب میں ڈال کر خراماں خراماں خوشی سے جھومتے حضرت

مولانا سے مصافحہ کرتے ہوئے تشریف لے گئے۔

یہ تھے حضرت کے علماء کرام سے تعلقات اوران کی خدمات۔ میں نے ایک دفعہ شاہ صاحب بخاری کے فرزندار جمند مرحوم ومغفور عطاء المنعم بخاری صاحب سے بوریوالہ میں ایک ملاقات میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا وہ نہایت خوش ہوئے۔ حضرت بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ احترام ثنائی عرض کرتا چلوں۔ 1938ء میں مشہور احراری مبلغ مولانا محمد حیات صاحب مرحوم پر ایک دفعہ ان کی تقریر پر جوانہوں نے قادیان کے قریب ایک گاؤں میں کی اورانہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کو کافر کہا۔ مرزائیوں نے مولانا پر مقدمہ دائر کر دیا۔ جو کہ بٹالہ ضلع گورداس پور کی دفعہ تیس کے مجسٹریٹ کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ مولانا محمد حیات مرحوم نے اپنی صفائی' عقیدہ کی تصدیق اور مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کے لیے ہندوستان کے چار علماء کرام کے نام پیش کیے۔ جن کو حکومت نے طلب کر کے ان کے بیان لیے۔ وہ تھے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی' حضرت مولانا چراغ صاحب گوجرانوالہ' حضرت مولانا فاتح قادیاں ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری' مولانا حضرت محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان علماء کی پیشی کے دن بٹالہ شہر اور دیگر دیہات کے ہزاروں مسلمان مندرجہ بالا حضرات کو دیکھنے کے لیے آئے۔ وہاں مجھ ناچیز کو بھی اپنے رفقاء کے ہمراہ حاضری کا موقع ملا۔ احاطہ کچہری میں بٹالہ کے مسلمانوں نے بڑے بڑے غلیچے فرش زمین پر بچھائے ہوئے تھے۔ اور ان معزز علمائے کرام کے لیے کرسیاں سجائی ہوئی تھیں۔ جن پر وہ تشریف فرما تھے۔ بٹالہ کے مسلمانوں کو ان حضرات کے ساتھ انتہائی عقیدت تھی۔ اوراس لیے کہ شیخ الاسلام بٹالہ شہر کو مسلمانوں کا قسطنطنیہ فرمایا کرتے تھے۔ بٹالہ کی اسی ہزار کی آبادی میں مرزائیوں کے صرف تین گھر تھے۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ شربت کی سبیلیں لگی ہوئیں ہزاروں کی تعداد نے مشتاقان علماء کرام اور شمع ختم نبوت کے پروانے شربت اور شربت دیدار سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ بٹالہ کی کچہری بٹالہ گورداس پور کی جرنیلی سڑک پر واقع تھی بلکہ سڑک کچہریوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔ اسی دوران کراؤن بس پٹھان کوٹ سے لاہور جانے والی آئی۔ اس کی فرنٹ سیٹ پر حضرت بخاری شاہ صاحب پٹھان کوٹ احرار کانفرنس سے فارغ ہو کر تشریف لائے۔ جب گاڑی کچہری کے سامنے کھڑی ہوئی تو لوگ

حضرت بخاری زندہ باد ختم نبوت زندہ باد' شیر پنجاب زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے بس کی طرف بھاگے۔ بخاری صاحب بس سے اتر کر مجمع کو چیرتے ہوئے ان حضرات تک پہنچے اور ان حضرات سے ملاقات' مصافحہ و معانقہ کے بعد انتہائی احترام سے جھک کر شیخ الاسلام سے ملے اور انہوں نے بخاری صاحب کو سیدھا کیا معانقہ اور مصافحہ کیا۔ (استاد محترم مغفور مولانا عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب شہید فرمانے لگے جس قدر بخاری صاحب مولانا کا احترام کرتے ہیں میں نے کسی اہل حدیث کو نہیں دیکھا) فرمایا اس مقدمہ کی سماعت اور پیشی کی کیفیت بھی عرض کرتا چلوں۔ انگریز مجسٹریٹ کے سامنے پہلے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب' پھر مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ' پھر مولانا سیالکوٹی آخر میں جب حضرت شیخ الاسلام کو آواز دی گئی آپ انتہائی مسکراہٹ اور بشاشت میں اندر تشریف لے گئے تو انگریز مجسٹریٹ نے بڑی بے رخی سے کہا کہ باقی بیان کل لیا جائے گا۔ اب وقت کافی ہو گیا ہے۔ اس کا ریڈر ایک سکھ گرایجویٹ نوجوان تھا۔ اس نے انگریزی میں حضرت مولانا کا تعارف کرایا جو آج تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔

(Mol.sanaulah is the leader of Ahe-e-hadith)

مجسٹریٹ نے سن کر انتہائی احترام سے کھڑے ہو کر سر سے ٹوپی اتار کر حضرت سے مصافحہ کیا اور سلام عرض کیا۔ بڑے بڑے صنادید مرزائیت بھی عدالت میں موجود تھے۔ ان کے رنگ سیاہ پڑ گئے اور چیخ اٹھے کہ مولانا کا احترام اس قدر عدالت میں کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ' مولانا محمد چراغ' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ عدالت سے فارغ ہو چکے تھے۔ مسلمانان بٹالہ کے اصرار پر مولانا امرتسری نے رات بٹالہ میں قیام کرنا اور جلسہ میں تقریر کرنا منظور فرمالیا۔ اسی وقت اعلان کر دیا گیا کہ رات شاہی قلعہ پر جو کہ شہر کے وسط میں تھا اور بڑی وسیع جلسہ گاہ تھی۔ حضرت بخاری شاہ صاحب' مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی' مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت فاتح قادیاں کی تقریر سننے کے لیے بٹالہ میں قیام فرما ہوئے۔ میزبانی کے فرائض صدر انجمن اہل حدیث بٹالہ نے سرانجام دیئے۔ رات کے جلسہ میں لاکھوں کی تعداد میں حاضری تھی۔ جب یہ پانچوں شہسواران خطابت جلسہ گاہ میں تشریف لائے تو عجیب کیفیت تھی جس کا نقشہ الفاظ میں بیان کرنا بمشکل ہے۔ بس اس پر

اختتام کرنا پڑتا ہے۔

الٰہی وہ صورتیں کس ملک میں بستی ہیں
جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

(ہفت روزہ اہل حدیث لاہور' 4 ستمبر 1998ء)

مولانا عبدالرزاق مسعود جماعت اہل حدیث کے جید عالم دین ہیں وہ عرصہ دراز سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور وہاں دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ ان کے مضامین و مقالات ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم (برطانیہ) میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ چند سال پہلے ان کا ایک نہایت ہی عمدہ مضمون فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے اخلاق حسنہ پر شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں مولانا عبدالرزاق مسعود لکھتے ہیں:

''ایک بار ایک شخص سرگودھا سے ملاقات کے لیے امرتسر آیا۔ ان صاحب کو مولانا ثناء اللہ کے مکان اور مسجد کا علم نہیں تھا۔ وہ سیدھا مدرسہ غزنویہ میں چلا گیا۔ مدرسہ غزنویہ ان دنوں ہندوستان میں اہل حدیث کی مشہور درسگاہ تھی۔ یہ مشہور تھا جس نے غزنوی مدرسے سے فیض حاصل نہیں کیا اس کا علم پختہ نہیں۔

یہ واقعہ مجھے میرے استاذ گرامی مولانا عبدالکریم صاحب کاشمیری نے بتایا جو ان دنوں مدرسہ غزنویہ میں زیر تعلیم تھے اور آج کل قلعہ دیدار سنگھ (پاکستان) کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ مولانا عبدالکریم کہتے ہیں میرے مشہور استاذ مولانا محمد حسین ہزاروی نے میری ڈیوٹی لگائی کہ سرگودھا سے آنے والے مہمان کو مولانا ثناء اللہ کے مکان پر چھوڑ آؤ۔ مہمان کے ہمراہ تانگہ پر سوار ہو کر مولانا کے گھر پہنچے' گھر میں اطلاع دی گئی' ایک لڑکا آیا' اس نے نہایت احترام سے مہمان خانے میں بٹھایا' تھوڑی دیر کے بعد گرم دودھ مٹھائی اور فروٹ کے ساتھ ہماری پر تکلف تواضع کی گئی۔ مولانا ان دنوں بخار میں مبتلا تھے' مہمانوں کی اطلاع پا کر کمبل اوڑھے تشریف لائے اور ہم سے بڑے تپاک سے ملے۔ سرگودھا کے مہمان کے ساتھ بڑی عزت اور احترام اور محبت سے گفتگو کی' مولانا نے دریافت فرمایا' مجھ ناچیز سے ملاقات کے لیے سرگودھا سے طویل سفر سے آنا میرے لیے باعث برکت ہے' اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کا بھی مشکور

ہوں۔ مہمان نے کہا کہ میں ایک ضروری کام کے لیے حاضر ہوا تھا' ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں کہتے' نہ فتویٰ دیتے ہیں' چونکہ عوام میں بدگمانیاں پیدا ہو رہی تھیں اس لیے میں تحقیق کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ کسی مہربان نے غلط حرکت کی ہے' میری کتابیں اٹھا کر دیکھو' میں وہی کہتا ہوں' وہی لکھتا ہوں' جو رسول اللہ ﷺ نے جھوٹے نبی کے بارے میں الفاظ استعمال کیے کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال' کذاب اور لعین ہے' کیا یہ الفاظ کسی مسلمان کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں؟ اس سے زیادہ مرزا غلام احمد قادیانی کے کافر ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ باتیں جاری تھیں کہ پر تکلف کھانا آ گیا' ہم نے کھانا شروع کیا' مولانا اجازت لے کر آرام کے لیے اوپر تشریف لے گئے' کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے بھی آرام کیا' دو گھنٹے کے بعد مولانا تشریف لائے۔ مہمان نے واپسی کی اجازت طلب کی۔ مولانا نے فرمایا تین دن تک آپ میرے مہمان ہوں گے۔ اس کے بعد میں آپ کی اجازت پر غور کروں گا' اتنی دور سے آنے والے مہمان کو میں کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔ مسجد میں پانچ وقت نماز با جماعت پڑھیں اور یہ میرا گھر اور مہمان خانہ آپ کے لیے وقف ہے۔ مہمان نے رخصتی کے لیے بہت اصرار شروع کر دیا' لیکن مولانا اجازت دینے سے انکار کر رہے تھے' مولانا نے فرمایا: بھائی! آپ کے ہاں ہم اپنے اجر و ثواب کی غرض سے دینی' تبلیغی پروگراموں میں جاتے ہیں تو آپ لوگ ہماری کس قدر آؤ بھگت کرتے ہیں' کیا میں اس قابل نہیں کہ آپ کی تین دن میزبانی کر سکوں۔ مہمان نے جب حد سے زیادہ اصرار کیا تو مولانا نے بادل ناخواستہ اجازت دی اور بوقت الوداع مہمان کی جیب میں پچاس روپے ڈال دیئے کہ یہ آپ کے سفری اخراجات ہیں' حالانکہ ان دنوں سرگودھا سے امرتسر کا کرایہ پانچ یا چھ روپے تھا۔ بڑی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ پانچ روپے میری جیب میں ڈال دیئے کہ بیٹا عبدالکریم' تو نے میرے مہمان کو گھر پہنچایا' بڑی تکلیف اٹھائی' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عالم باعمل بنائے۔ ان دنوں ایک طالب علم کے لیے پانچ روپے ایک ماہ کا خرچ ہوتا تھا۔

کہتے ہیں کہ مولانا نے اپنے دفتر میں چائے کی کیتلی بھی رکھی تھی اور کوئلے کی انگیٹھی بھی۔ چائے پینے والے مہمان کو خود اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پیش کرتے اور اگر کوئی مہمان

ٹھنڈے مشروب کا طالب ہوتا تو اس کے لیے شربت یا لسی منگواتے۔ اپنے محلے کی مسجد میں جمعہ پڑھاتے، جمعہ کے روز عورتوں اور مردوں کے لیے دونوں جگہ پر ٹھنڈے پانی کا انتظام کرتے اور تمام خرچہ اپنی گرہ سے کرتے۔ (ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم برطانیہ، جون 2002ء)

نومبر 1937ء میں قمر بیگ نامی ایک آدمی نے اپنے بریلوی علماء کی باتوں میں آ کر 100 شہیدوں کا ثواب کمانے اور حوروں کے لالچ میں آ کر مولانا ثناء اللہ پر تیز دھار گنڈاسے سے قاتلانہ حملہ کیا۔ مولانا اپنے پوتے مولوی رضاء اللہ کے ہمراہ مسجد مبارک کٹڑہ مان سنگھ امرتسر جلسے میں شرکت کے لیے ابھی تانگے سے اترے ہی تھے کہ ان پر حملہ ہو گیا۔ وار اس قدر کاری تھا کہ مولانا کا پگڑی کے نیچے کلاہ کٹ گیا اور سر میں ہڈی تک گہرا زخم آیا۔

مولانا ''نور توحید'' کے صفحہ 59 پر لکھتے ہیں کہ باوجود سخت زخم لگنے کے بتصرف الٰہی مجھے کانٹا چبھنے جتنی بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ ہاں جسمانی ضعف اس قدر تھا کہ بول نہیں سکتا۔ حملے کے فوراً بعد مولانا یہ فقرہ بار بار دہراتے تھے۔ فی سبیل اللہ مالقیت ۔ دریافت احوال پر فرماتے، اللہ انہیں ہدایت دے۔ فانھم لا یعلمون ۔ مولانا مرحوم کئی ہفتے بستر علالت پر رہے اور اللہ نے انہیں صحت یاب کر دیا۔ اب پھر انہوں نے اپنی علمی و تصنیفی اور دیگر جماعتی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ احباب زندگی کی سلامتی پر مبارک دیتے تو فرماتے شہادت کے سارے سامان مہیا ہو گئے تھے۔ میری کم نصیبی کہ مجھے شہادت میسر نہ ہوئی اور پھر یہ شعر پڑھتے۔ ع

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال
بے کمالی میں بھی افسوس میں کامل نہ ہوا

ادھر تو یہ صورت حال تھی جبکہ قمر بیگ مولانا مرحوم پر حملہ کرنے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔ جماعت اہل حدیث نے مجرم کو گرفتار کرنے اور اسے قرار واقعی سزا دینے کا پرزور مطالبہ کیا۔ انگریز کا دور حکومت تھا۔ آخر تین ماہ بعد مجرم کلکتہ سے پکڑا گیا۔

27 جنوری 1937ء کو عدالت نے اسے چار سال بامشقت کی سزا کا فیصلہ سنا کر اسے جیل بھیج دیا۔ جبکہ مولانا ثناء اللہ مرحوم اس حق میں قطعاً نہ تھے کہ مجرم پر مقدمہ چلایا جائے۔ انہوں نے اپنے اخبار اہل حدیث امرتسر کی 3 جون 1938ء کی اشاعت کے صفحہ 14 پر لکھا کہ میں سچ

کہتا ہوں میں ٹھنڈے مکان میں بجلی کے پنکھے کی ہوا لیتا ہوں' ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو مجھے مجرم کی حالت پر رحم آتا ہے کہ وہ جیل میں کس طرح گزارتا ہوگا' اللہ اسے توبہ کی توفیق بخشے۔

مولانا مرحوم کا یہ بیان کسی ریاء ونمود پر مبنی نہ تھا بلکہ وہ حد درجے رحمدل اور تقویٰ شعار تھے۔ اس موقع پر انہوں نے حسن سلوک کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کی مثالیں کم ہی دیکھنے کو ملیں گی۔ واضح رہے کہ جب قمر بیگ قید ہوگیا تو مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے گھریلو حالات معلوم کرائے تو ان کو پتہ چلا کہ قمر بیگ کے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں جو گھر کا خرچہ چلا سکے۔ اب مولانا خفیہ ذرائع سے قمر بیگ کے گھر 50 روپے ہر ماہ بھجوانے لگے۔ جن لوگوں نے قمر بیگ کو وہابی مولوی کو مارنے پر ثواب پر حوروں کی ترغیب دلائی تھی' انہوں نے بیگ اور اس کے بیوی بچوں کا احوال تک نہ پوچھا۔ اسے کسی طرح جیل میں ہی مولانا کے حسن سلوک کی خبر معلوم ہوگئی تو وہ اپنے کیے پر بہت نادم ہوا۔

جب وہ سزا کاٹ کر جیل سے رہا ہوا تو مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کی معافی مانگی اور مولانا کے اخلاق و کردار سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلک اہل حدیث پر عمل پیرا ہوگیا۔

سیرت ثنائی میں لکھا ہے کہ قمر بیگ بھی قیام پاکستان کے بعد سرگودھا آ کر قیام پذیر ہو گیا تھا اور مولانا کی وفات کے بعد روزانہ ان کی قبر پر دعا کے لیے جایا کرتا تھا۔ ہے کوئی ایسا عالم دین جو اپنے مجرم کے گھر والوں کی مالی مدد کرے اور انہیں گھر کے لئے خرچہ دے۔ بلاشبہ مولانا اپنے اعلیٰ حسن اخلاق کے باوصف اونچے مقام و مرتبے پر فائز تھے۔ ان کے تعلقات کا دائرہ مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں بھی بڑا دور تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ اپنی خوش روئی اور بلند اخلاق سے بڑے پتھر دلوں کا دل جیت لیتے تھے۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری کاروباری لحاظ سے بڑے آسودہ حال تھے۔ 1930ء میں انہوں نے ثنائی برقی پریس لگایا۔ یہاں ان کے رسائل و کتب بھی شائع ہوتے تھے اور دوسرے لوگوں کی چھپائی کا کام بھی کیا جاتا تھا۔ وہ بڑے فیاض' ہنس مکھ' خوش مزاج' خوش اطوار' اور خوش گفتار تھے۔ جس طرح ان کا ظاہر خوب صورت تھا باطن بھی خوبصورت تھا۔

عبوست و یبوست سے کوسوں دور رہتے۔ ان کا ادبی ذوق نہایت نکھرا ہوا تھا' اپنی

تحریروں، مناظروں، مباحثوں اور تقاریر میں برمحل ایسے اشعار پڑھتے اور علمی لطائف بیان کرتے کہ سامعین حضرات مسرت سے جھوم اٹھتے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب نے ''بزم ارجنداں'' میں مولانا ثناءاللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا ثناءاللہ امرتسری بہت ہی خوش مزاج اور خوش طبع بزرگ تھے۔ ایک دن حاجی محمد اسحٰق حنیف نے بتایا کہ امرتسر میں اہل حدیث کی نماز عید کے امام خلیفہ عبدالرحمٰن تھے، جو زیادہ پڑھے لکھے تو نہ تھے، لیکن نہایت پرہیز گار اور متقی بزرگ تھے۔

عید کے موقع پر وہ پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ اور عورتوں کو مخاطب کرتے تو ''او عورتو سنو! او عورتو سنو!'' کہا کرتے تھے۔ ایک دن نماز کے بعد عید گاہ سے نکلتے ہوئے چند جوانوں نے انہیں روک لیا اور کہا آپ 'او عورتو' 'او عورتو' کہا کرتے ہیں۔ اس کے بجائے ماؤں بہنو کہا کریں۔ خلیفہ صاحب بقول حاجی محمد اسحٰق حنیف بعض الفاظ دو مرتبہ کہا کرتے تھے، نوجوانوں کی بات سن کر بولے ''سیانے دی گل سیانی' سیانے دی گل سیانی'' میں آئندہ ماؤں بہنو! ہی کہا کروں گا۔ اتنے میں مولانا ثناءاللہ امرتسری تشریف لائے اور نوجوانوں سے پوچھا خلیفہ صاحب سے کیا باتیں ہو رہی ہیں، جو بات تھی وہاں انہوں نے بیان کی۔ اس پر مولانا ثناءاللہ امرتسری نے باندازِ مزاح فرمایا تو تم خلیفہ صاحب کو گمراہ کر رہے ہو۔ ان عورتوں میں ان کی بیوی بھی موجود ہوتی ہے۔ یہ ان کو ماؤں بہنوں کیسے کہیں گے، اگر کفارہ دینا پڑے تو کون دے گا......؟

خلیفہ صاحب فوراً بولے: ''عالم دی گل تو میں سمجھ گیا جتھے بیوی ہووے اوتھے ماؤں بہنو! نہیں کہنا چاہیدا...... عالم دی گل عالمانہ' عالم دی گل عالمانہ'' مولانا امرتسری مسکراتے ہوئے آگے نکل گئے۔

بھٹی صاحب نے بزم ارجنداں کے کسی دوسرے مضمون میں لکھا ہے کہ جو شخص ایک میٹھا بول نہیں بول سکتا، زبان کو نرمی کے جوہر سے آشنا نہیں کر سکتا، لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور وعظ و تبلیغ میں مخاطب کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا، اسے اسلام کی تبلیغ کی بجائے اور کوئی دھندہ اختیار کرنا چاہیے۔

بھٹی صاحب کی یہ تلقین بڑی حکیمانہ ہے۔ اس کے تناظر میں جھانک کر دیکھیں، تو اس

کے ہر پہلو میں مولانا امرتسری کی خوبصورت شخصیت کی جھلک دکھائی دے گی' وہ ہمیشہ دوسروں کے مقام ومرتبے کو ملحوظ رکھ کر گفتگو کرتے دوسرے الفاظ میں بہت بڑے مزاج شناس تھے۔

زندگی کے آخری ایام

مولانا ثناءاللہ امرتسری کے ساتھ چلتے چلتے ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب ان کی زندگی کا آخری دور شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر انہیں کئی بڑے صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ تقسیم ملک کے وقت ہندوؤں اور سکھوں نے آپس میں ملی بھگت سے مسلمانوں کا کھلے بندوں قتل عام کیا۔ ان کی املاک کو لوٹا بھی اور برباد بھی کیا۔ اس کی زد میں مولانا ثناءاللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی آ گئے۔ سب سے پہلے مولانا کا بیٹا مولوی عطاءاللہ جو کہ محلے میں ناگفتہ حالات کے باعث حفاظت پر مامور تھا' اس نے سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گیا۔ بوڑھے والد کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ ابھی اس کا زخم تازہ ہی تھا کہ بلوائیوں نے مولانا کے کتب خانے کو نذر آتش کر دیا۔ آپ بے سروسامانی کے حالات میں اپنے اہل خانہ کو لے کر پاکستان روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کی جیب میں صرف پچاس روپے تھے۔

قارئین اندازہ کریں اس شخص پر کیا بیت رہی ہوگی جس کا تمام کاروبار تباہ ہو گیا۔ اکلوتا بیٹا بلوائیوں کے ہاتھوں موت کی آغوش میں جا سویا' ہزاروں روپیہ اور طلائی زیورات امرتسر میں ہی رہ گئے۔ جس آدمی کا شمار امرتسر کے روساء میں ہوتا تھا' وہ اب تہی دست تھا اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ اللہ کی رضا پر راضی تھے۔

مولانا سب سے پہلے لاہور آئے' پھر گوجرانوالہ چلے گئے۔ چند ماہ وہاں قیام کر پائے تھے کہ ان کو ضلع سرگودھا میں پریس الاٹ ہو گیا۔ چنانچہ پھر انہوں نے سرگودھا میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی زندگی کی ابتداء بھی نامساعد حالات اور عسرت سے شروع ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی اسی پر ہوا۔

لیکن زندگی کی ان نیرنگیوں کے باوجود نہ تو انہوں نے کسی کے آگے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی جھوٹے کلیم داخل کیے۔ ہمیشہ اپنے مقام ومرتبے کو بلند رکھا۔ احباب نے اگر مجبور کر کے انہیں کچھ دینے کی کوشش بھی کی تو مولانا نے اسے مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ وہ انتہائی

متین و متدین، متقی اور تقویٰ شعار انسان تھے۔ مشتبہ چیزوں سے دامن کشاں رہتے تھے۔
مولانا مرحوم نے سرگودھا میں قیام پذیر ہو کر نئے عزم و ہمت سے دعوت دین کی شمع کو روشن کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اپنے اخبار اہل حدیث کو شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہی تھا کہ ان کی زندگی کی شام ہوگی۔ پے در پے صدمات اور عظیم کتب خانے کی تباہی نے ان کو جسمانی طور پر رنجیدہ و کمزور کر دیا تھا۔

فروری 1948ء میں ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ علاج معالجہ کے بعد ان کی صحت کچھ بہتر ہوگئی۔ آخر 15 مارچ 1948ء کی صبح فرشتہ اجل پروانہ موت لے کر حاضر ہوا اور مولانا زندگی کی 80 بہاریں بھرپور طریقے سے گزار کر فردوس کو روانہ ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر کی علمی، ادبی اور مذہبی تاریخ کے ایک زریں دور کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات پر برصغیر کے اخبارات و رسائل اور مشاہیر نے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں ان سے کچھ اقتباس نقل کر دیئے جائیں۔

عالم اسلام کی عظیم شخصیت اور جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے مہتمم مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (وفات: 30 نومبر 1999ء) لکھتے ہیں اگر پوری دنیا کے اکابر علماء کسی ایک علمی مجلس میں ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، قادیانیوں، ملحدوں، شیعوں، منکرین حدیث، بریلویوں غرض ہر فرقہ سے ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گی۔ مجھے نہیں معلوم، لیکن پاکستان و ہندوستان، برما، لنکا، جزائر جاوا اور سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہوگی اور وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ (ندائے مدینہ، کانپور، شیخ الاسلام نمبر، ص: 14، طبع: 1949ء)

زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان نے لکھا مولانا ثناء اللہ کی وفات حسرت آیات سے دنیا سے حاضر جوابی ختم ہوگئی۔

اگر رات کو کوئی فرقہ اسلام کے خلاف پیدا ہو جائے تو مولانا ثناء اللہ صبح اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ (امام العصر حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی)

وہ عالم تھا محدث تھا زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی مجدد تھا زمانے کا

(مولانا نور حسین گرجاکھی)

آپ کو اگر خاتم المناظرین بھی کہہ دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔(مولانا عبدالمجید سوہدروی)

مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔

(علامہ رشید رضا سلفی مصری)

حضرت ابوالوفاء کی کتاب زندگی کے اوراق ملک کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔(امام خاں نوشہروی)

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا' ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا' اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی (مولانا ثناء اللہ) ہوتے۔اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔آمین۔(سید سلیمان ندوی 'یاد رفتگاں' صفحہ:373)

یہ ایک جھلک ہے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے لیل ونہار کی جو انہوں نے اسلام کی نشرواشاعت اور مسلک اہل حدیث کے فروغ میں بسر کی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے نام اور کام سے آج ایک دنیا آگاہ ہے۔جس طرح ان کی دینی' تبلیغی' تصنیفی اور اسلام کے دفاع کے لیے مناظرانہ سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہے۔اسی طرح ان کی حسنات کی فہرست بھی طویل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین

والسلام
محمد رمضان یوسف سلفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ رحمانیہ المعروف جامعہ ابراہیمیہ
(ایک تعارف)

جامعہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) ناصر روڈ برصغیر پاک و ہند کے ایک قدیم شہر سیالکوٹ میں مسلک حقہ اہل حدیث کا قدیم علمی، سلفی اور دینی ادارہ ہے، علم و عرفان کے اس سرچشمہ کی بنیاد استاذ العلماء محدث سیالکوٹی حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ نے 1964ء میں رکھی۔ پہلے پہل اپنے رفیق کار استاذ الادب شیخ الحدیث حضرت مولانا عطاء الرحمٰن اشرف رحمہ اللہ بعدازاں اپنے شاگرد پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ، مولانا محمد یونس مرجالوی حفظہ اللہ، مولانا عبدالقیوم عاجز حفظہ اللہ، مولانا الیاس میر حفظہ اللہ اور قاری عبدالرحمٰن حفظہ اللہ کے ہمراہ مسند تدریس کو تادم زیست سجائے رکھا، جہاں سے قرآن وسنت کے لاتعداد پروانوں نے فیض پایا اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔

جامعہ ھذا کی موجودہ عمارت کا حجر اساسی استاذ المحدثین، فقیہ العصر حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے 1980ء میں رکھا، اس کا خطبہ استقبالیہ شہید اہل حدیث علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے دیا۔

آئینہ شعبہ جات وخدمات:

گزشتہ نصف صدی سے زائد جامعہ ہذا درج ذیل شعبہ جات میں خدمات سرانجام دے رہا ہے:

* شعبہ تحفیظ القرآن
* شعبہ تجوید وقراءات
* شعبہ درس نظامی معہ علوم عصریہ
* شعبہ فہم قرآن وتعلیم وتربیت
* شعبہ تصنیف وتالیف
* شعبہ دارالافتاء
* شعبہ دعوت وتبلیغ
* دختران اسلام کے لیے حال ہی میں قائم شدہ زکیہ اسلامک سنٹر للبنات۔

جامعہ رحمانیہ ایک اقامتی ادارہ ہے، جس میں مقامی وبیرونی طلباء کی کثیر تعداد زیر تعلیم ہے۔
شعبہ حفظ القرآن کے تحت زیر تعلیم بچوں کو آغاز سے ہی علم تجوید اور فن قراءت سے روشناس

کرایا جاتا ہے، اس کے علاوہ اذکار نافعہ بھی زبانی یاد کرائے جاتے ہیں۔
شعبہ درس نظامی میں سات سالہ مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے جس کی تکمیل صحیح بخاری پر ہوتی ہے۔
ادارہ ھٰذا کے تقریباً تمام فارغ التحصیل طلباء عملی زندگی میں ماہر اساتذہ اور کارآمد انسان کے طور پر کام کر رہے ہیں۔
شعبہ تعلیم وفہم القرآن کے تحت طلباء کو ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ اور سوالاً جواباً فہم قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، تاکہ کم عمری میں ہی عقیدہ توحید کی ضرورت واہمیت واضح اور پختہ ہو جائے۔
شعبہ علوم عصریہ میں طلباء کو میٹرک، ایف اے اور بی اے کی باقاعدہ تیاری کروائی جاتی ہے۔
شعبہ تصنیف وتالیف: یہ شعبہ کسی بھی ادارہ کی محنت وکاوش کا نقیب وترجمان ہوتا ہے۔
الحمد للہ محدث سیالکوٹی مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ نے جذبہ خدمت دین کے تحت اس شعبہ میں مسلک اہل حدیث کی خوب ترجمانی فرمائی، خصوصاً مولانا جانباز رحمہ اللہ کی لاجواب کاوش انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ (طبع ثالث) عربی زبان میں 12 جلدوں پر مشتمل شروحات کی دنیا میں عظیم الشان کارنامہ ہے، یہی شرح دوسری دفعہ پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب حفظہ اللہ کی خصوصی دل چسپی کے پیش نظر ''دار النور اسلام آباد'' کے زیر تحت سابقہ مواد مگر نئی ترتیب اور بہترین جمع بندی کے ساتھ 9 جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ (الحمد للہ)
مولانا رحمہ اللہ کی تصنیفی وتالیفی خدمات کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے، مگر اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

1...... انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ عربی (12 جلدیں)
2...... اہمیت نماز
3...... صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ
4...... معراج مصطفیٰ ﷺ
5...... آل مصطفیٰ ﷺ
6...... نفحات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر
7...... تحفۃ الوریٰ فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ
8...... احکام سفر
9...... احکام دعا وتوسل
10...... احکام نکاح
18...... اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت
19...... دوران خطبہ جمعہ دو رکعات پڑھنے کا حکم
20...... استخارہ ومشورہ
21...... حرمت متعہ
22...... رزق حلال اور رشوت
23...... حرمت متعہ بجواب جواز متعہ
24...... صفات المومنین
25...... تحریک پاکستان اور حکمرانوں کا کردار
26...... عمدۃ التصانیف شرح نخبۃ الاحادیث

11...... احکام وقف وہبہ

12...... احکام قسم ونذر

13...... احکام عدت

14...... احکام طلاق

15...... احکام وتر

16...... احکام ومسائل رمضان

17...... ارکان اسلام

27...... شرح اربعین ابراہیمی

28...... شرح اربعین ثنائی

29...... بیع اقساط کی شرح حیثیت

30...... عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت

31...... ووٹ کی شرعی حیثیت

32...... مسائل عید الاضحیٰ اور قربانی

33...... بستیوں میں خطبہ جمعہ کا ثبوت

علاوہ ازیں ''تذکرہ علماء اہل حدیث پاکستان'' جلد دوم وسوم از پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ، ''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ایک مطالعہ'' از ملک عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ، ''تذکرہ مساجد اہل حدیث شہر سیالکوٹ'' از مولانا عبدالحنان جانباز حفظہ اللہ، ''عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں علمائے اہل حدیث کی مثالی خدمات'' از مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ، ''مورخ اہل حدیث، مولانا محمد اسحاق بھٹی حیات وخدمات'' از مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ، ''اقراء تجویدی قاعدہ'' (نصابی) از قاری عبدالرحمٰن حفظہ اللہ، ''جواہر التجوید'' از قاری عبدالرحمٰن حفظہ اللہ دو دیگر شائع ہو چکی ہیں اور ''فاتح قادیان سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ حیات، خدمات وآثار'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

شعبہ افتاء:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعبہ کی آبیاری کے لیے عوام واحباب کے دینی وشرعی استفسارات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں دیے، جو جماعتی رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہے اور کتابی شکل میں بھی منظر عام پر آئے۔

شعبہ دعوت وتبلیغ:

اس شعبہ کے روح رواں جامعہ کے ہی زیر تعلیم طلباء اور ان کے ساتھ مقامی علماء ہیں، جو سیالکوٹ شہر اور اس کے مضافات میں ہفتہ وار وماہانہ تبلیغی قافلے کی صورت میں نکلتے ہیں اور عوام الناس کو خالص قرآن وسنت کی روشنی میں خالص توحید وسنت سے روشناس کراتے ہیں۔

کتب خانہ:

جامعہ ھٰذا میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہے جو مولانا جانباز رحمہ اللہ کے علمی وتحقیقی ذوق کا غماز

استاذ العلماء، شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد علی جانباز رحمہ اللہ کی دیگر علمی وتحقیقی شہرۂ آفاق کتب

1. انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ
2. اہمیت نماز
3. صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ
4. معراج مصطفیٰ ﷺ
5. آل مصطفیٰ ﷺ
6. توہین رسالت کی شرعی سزا
7. ارکان اسلام
8. احکام طلاق
9. احکام نکاح
10. احکام سفر
11. احکام وقف وھبہ
12. احکام قسم ونذر
13. احکام دعاوتوسل
14. احکام عدت
15. احکام وتر
16. رمضان کیسے گزاریں
17. اردو شرح اربعین ابراہیمی
18. بیع اقساط کی شرعی حیثیت
19. نفحات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر
20. خطبہ جمعہ کے دوران دو رکعت پڑھنے کا حکم
21. تاریخ پاکستان اور حکمرانوں کا کردار
22. صفات المومنین
23. اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت
24. رزق حلال اور رشوت
25. عورت کا سیاست میں حصہ لینے کی شرعی حیثیت
26. مسائل عید الضحیٰ
27. مشورہ اور استخارہ
28. تحفہ الوری فی تحقیق مسائل عید الاضحی
29. ووٹ کی شرعی حیثیت
30. اردو شرح اربعین ثنائی
31. عمدہ التصانیف شرح نخبۃ الاحادیث
32. حرمت متعہ بجواب جواز متعہ
33. بستیوں میں خطبہ جمعہ کا ثبوت
34. احکام ومسائل حج وعمرہ